جلد 27 شمارہ 5 ماہ مئی 2025ء ذیقعد 1446ھ

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا

صداقت الله محبت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پرواز مسلسل

ماہنامہ

فلاحِ آدمیّت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا تعارف اور اغراض و مقاصد

- سلسلہ عالیہ توحیدیہ ایک روحانی تحریک ہے جس کا مقصد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول، کثرت ذکر مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا ہے۔
- کشف و کرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب و عرفان اور اس کی رضا و لقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا ہے۔
- حضور ﷺ کے اصحاب کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج ہے۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت مختصر اور سہل العمل اوراد واذکار کی تلقین۔
- غصہ اور نفرت، حسد و بغض، تجسّس وغیبت اور ہوا و ہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم و رضا عالمگیر محبّت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا ہے۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا۔ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل و عیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح و خدمت کے کام کو آگے بڑھانا اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبّت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے ان کے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے۔

ماہنامہ

فلاحِ آدمیّت

گوجرانوالہ

فلاحِ آدمیّت

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

بیاد

خواجہ عبدالحکیم انصاری رح

بانی سلسلہ

محمد صدیق ڈار رح

بانی مجلّہ فلاح آدمیت

نگران و سرپرست اعلیٰ: جناب محمد یعقوب توحیدی شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ 0344-9000042

مجلس ادارت

مدیر: سید محمد عبداللہ بخاری 0301-7705388

معاون مدیر: شہزاد محمود بخاری 0301-7430525

نائب مدیر: سید رحمت اللہ شاہ 0333-4552212

شفیق احمد، وحید احمد، پیر خان

حافظ محمد یٰسین، عبدالقیوم ہاشمی

خالد محمود بخاری

ماجد محمود توحیدی

ترسیل: فھد محمود ، محمد ریاض

شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ

مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ) وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ

info@tauheediyah.com :ای میل Ph: 055-3411030

Website www.tauheediyah.com

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

قیمت شمارہ -/30 روپے

سالانہ فنڈ -/300 روپے

اس شمارے میں

پیامِ قرآن

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ۔ (سورۃ البقرۃ ۲: آیت ۲۲۲)

اللہ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو بدی سے باز رہیں اور پاکیزگی اختیار کریں۔

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ۔ (سورۃ البقرۃ ۲: آیت ۲۷٦)

اور اللہ کسی ناشکرے بدعمل انسان کو پسند نہیں کرتا۔

وَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ۔ (سورۃ آل عمران ۳: آیت ۵۷)

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے تو اللہ انہیں ان کے اجر پورے پورے دے گا، اور ظالموں سے اللہ ہرگز محبت نہیں کرتا۔

أُولَـٰئِكَ جَزَآؤُهُمْ أَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلَآئِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۔ خَالِدِينَ فِيهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ۔ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِن بَعْدِ ذَٰلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ۔ (سورۃ آل عمران ۳: آیات ۸۷۔۸۹)

ان پر اللہ اور فرشتوں اور تمام انسانوں کی پھٹکار ہے۔ اسی حالت میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ نہ ان کی سزا میں تخفیف ہوگی اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی۔ البتہ وہ لوگ بچ جائیں گے جو اس کے بعد توبہ کر کے اپنے عمل کی اصلاح کر لیں۔ اللہ بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

فرمانِ نبوی ﷺ

حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ فرماتی ہیں کہ میں عائشہؓ کے پاس گئی۔لوگ نماز پڑھ رہے تھے۔میں نے (اس بے وقت نماز پر تعجب سے پوچھا کہ) یہ کیا ہے؟ حضرت عائشہؓ نے سر سے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔میں نے پوچھا: کیا کوئی نشانی ہے؟ انہوں نے سر کے اشارہ سے ہاں کہا (کیونکہ سورج گرہن ہوگیا تھا) اسماءؓ نے کہا کہ نبی کریم ﷺ دیر تک نماز پڑھتے رہے۔یہاں تک کہ مجھ کو غشی آ گئی۔قریب ہی ایک مشک میں پانی بھرا رکھا تھا۔میں اسے کھول کر اپنے سر پر پانی ڈالنے لگی۔پھر جب سورج صاف ہوگیا تو نبی کریم ﷺ نے نماز ختم کر دی۔اس کے بعد آپ ﷺ نے خطبہ دیا۔پہلے اللہ تعالیٰ کی اس کی شان کے مناسب تعریف بیان کی۔اس کے بعد فرمایا: امابعد! اتنا فرمانا تھا کہ کچھ انصاری عورتیں شور کرنے لگیں۔اس لئے میں ان کی طرف بڑھی کہ انہیں چپ کراؤں (تاکہ رسول اللہ ﷺ کی بات اچھی طرح سن سکوں مگر میں آپ ﷺ کا کلام نہ سن سکی) تو پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ نے کیا فرمایا؟ انہوں نے بتایا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بہت سی چیزیں جو میں نے اس سے پہلے نہیں دیکھی تھیں، آج اپنی اس جگہ سے میں نے انہیں دیکھ لیا۔یہاں تک کہ جنت اور دوزخ تک میں نے آج دیکھی۔مجھے وحی کے ذریعہ یہ بھی بتایا گیا کہ قبروں میں تمہاری ایسی آزمائش ہوگی جیسے کانے دجال کے سامنے یا اس کے قریب قریب۔تم میں سے ہر ایک کے پاس فرشتہ آئے گا اور پوچھے گا کہ تو اس شخص کے بارے میں کیا اعتقاد رکھتا تھا؟ مومن یا یہ کہا کہ یقین والا (ہشام کو شک تھا) کہے گا کہ وہ محمد رسول اللہ ﷺ ہیں، ہمارے پاس ہدایت اور واضح دلائل لے کر آئے، اس لئے ہم ان پر ایمان لائے، ان کی دعوت قبول کی، ان کی اتباع کی اور ان کی تصدیق کی۔اب اس سے کہا جائے گا کہ تو تو صالح ہے، آرام سے سو جا۔ہم پہلے ہی جانتے تھے کہ تیرا ان پر ایمان ہے۔ہشام نے شک کے اظہار کے ساتھ کہا کہ رہا منافق یا شک کرنے والا تو جب اس سے پوچھا جائے گا کہ تو اس شخص کے بارے میں کیا کہتا ہے تو وہ جواب دے گا کہ مجھے نہیں معلوم میں نے لوگوں کو ایک بات کہتے سنا اسی کے مطابق میں نے بھی کہا۔ہشام نے بیان کیا کہ فاطمہ بنت منذر نے جو کچھ کہا تھا۔میں نے وہ یاد رکھا لیکن انہوں نے قبر میں منافقوں پر سخت عذاب کے بارے میں جو کچھ کہا وہ مجھے یاد نہیں رہا۔

(کتاب الجمعہ، صحیح بخاری)

شاعرانہ کلام

(قاری محمد ممتاز شامی)

موھے درشن کراوو سرکار میں تمھارا دیوانہ ہوں
مورے سپنا میں آؤ اک بار میں تمھارا دیوانہ ہوں
رب مورا بھی تورے گن گائے
شوق تورا ہوں من میں بسائے
اب تو تڑپت ہے دل بے قرار
میں تمھارا دیوانہ ہوں
شان اونچی آقا تمہاری رو رو کے یہ رین گزاری
چین بخشیں نا شاہ ابرار میں تمھارا دیوانہ ہوں
نینن مورے دید کو ترسیں
چھم چھم تورے عشق میں برسیں
عشق کا مارا تمرا بیمار
میں تمھارا دیوانہ ہوں
مورے سانوریا میں تو پھنسا ہوں طوفان میں آن گھرا ہوں
موری نیا لگاؤ پار میں تمھارا دیوانہ ہوں
چاند ستاروں میں تماری چمک ہے
پھول بہاروں میں تماری مہک ہے
سر پہ لولاک کی دستار
میں تمھارا دیوانہ ہوں
شامی یہ کیسا رنگ جمت ہیں رب کا کرم ہے من بھاوت ہیں
ذوق والے ہیں مورے اشعار میں تمھارا دیوانہ ہوں

ندائے عارف

(فرمودات شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ قبلہ محمد یعقوب صاحب توحیدی مدظلہٗ)

(ماجد محمود توحیدی)

☆ ایک خادم حلقہ سے مخاطب ہوئے اور فرمایا:

یہ حلقہ ذکر تو ہفتہ میں ایک ہوتا ہے باقی جو ذکر اذکار ہیں ان کے بارے میں کبھی کبھی پوچھ لیا کریں کہ اپنے روزمرہ کا ذکر آپ لوگوں نے جو کرنا ہے وہ بھی کوئی کرتا ہے یا بھول گئے ہیں۔ وہ ضرور کیا کریں۔ ایک تو یہ نفی اثبات کا ذکر، اس کے علاوہ بھی ہمارے ذمے اذکار ہیں۔ پاس انفاس کی طرف بھی توجہ دیا کریں۔ تلاوت قرآن کی طرف توجہ دیا کریں۔ نماز خاص طور سے باقاعدگی سے پڑھا کریں کیونکہ نماز ہی دین کی بنیاد ہے۔ اس کو نظر انداز مت کریں۔

ذکر پاس انفاس اور نفی اثبات یہ دونوں اذکار اور قرآن پاک کی تلاوت کم از کم ایک دو دفعہ بڑے ضروری اذکار ہیں۔ تلاوت ایک دفعہ کر لیا کریں جب وقت ہو۔ عام طور سے ٹائم فجر کا اچھا رہتا ہے، فجر میں ٹائم نہ ہو تو پھر عصر میں کرتے ہوتے ہیں۔ بہر حال جو ٹائم بھی مناسب ہو، وقت ملے، تلاوت کر لیا کریں۔ بھائیوں کو پوچھا کریں۔ کرتے ہوں گے لیکن آپ اپنا فرض ادا کر لیا کریں۔ بھائیوں سے کہہ دیا کریں کہ یہ تلاوت بھی کرنی ہے، اس کو نظر انداز نہیں کرنا۔ سب بھائیوں کو یاد دہانی کرا دیا کریں۔ آپ سب لوگ یاد دہانی کے لئے ہیں۔ یاد دہانی کرائیں، اس سے آپ کو بھی ان شاء اللہ فائدہ ہوگا اور سننے والوں کو بھی ممکن ہے اللہ تعالیٰ اس پر چلا دے۔ آپ یاد کرا دیا کریں۔

☆ بارش نہ ہونے اور سموگ کی بات ہوئی تو آپ نے فرمایا:

اب صرف لاہور میں Seventy four لاکھ گاڑیاں ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اب وہاں ہر آدمی کے پاس ایک گاڑی ہوگی، پھر تو Pollution بڑھے گی، یہ حق ہے۔ یہ Pollution کہاں جائے؟

بارشیں ہیں نہیں۔

میرا خیال ہے کہ بہت کم لوگوں کو شاید خیال ہو کہ اللہ کے سامنے گڑگڑائیں کہ یا اللہ! ہمارے گناہ معاف فرما دے اور ہمیں بارش جیسی دولت سے نواز دے۔ بارش بہت بڑی دولت ہے، ہمیں اس سے پانی میسر ہوتا ہے اور ہماری جو فضائی آلودگی ہے وہ ختم ہوتی ہے۔ لیکن ہم تو بھولے بھالے ہوئے ہیں، ہمیں تو کچھ پرواہ ہی نہیں ہے کہ بارش بھی اللہ کی ایک نعمت ہے، اللہ کو یاد کریں، اس سے التجا کریں کہ یا اللہ ہماری حالت پر رحم فرما دے۔ ہمیں اپنی آلودگی والی نعمت سے محروم کر دے، ہمیں کوئی بارش والی، کوئی پانی والی اور کوئی صفائی والی نعمت عطا فرما دے۔ سب مل کے دعا کریں کہ اللہ اپنا فضل فرما دے۔

☆ یہ جو ذکر اذکار آپ کرتے ہیں یہ بہت بڑی دولت ہے جناب۔ یہ تو آخر میں پتا چلے گا کہ تم نے یہ کیا کمائی کی ہے۔ یہ اس وقت پتا چلے گا۔ یہاں تو کلمے ہیں زبان سے ادا ہو جاتے ہیں۔ فائدے کا پتا اس وقت چلے گا جب آپ انفرادی طور سے صاحب کے سامنے پیش ہوں گے تو وہ بتائے گا پھر کہ تم نے کیا کیا ہے۔ وہاں سب لوگ انفرادی طور سے پیش ہوں گے پھر وہ بتائیں گے ان شاء اللہ۔

☆ خادم حلقہ توحیدیہ گوجرانوالہ جناب محمد ریاض صاحب کے والد گرامی کی وفات کی اطلاع ملی تو انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھا، دعائیہ کلمات کہے اور فرمایا:

والد جب گزر جاتے ہیں تو اس کے بعد اولاد کو پتا چلتا ہے کہ وہ کیا کیا کرتے تھے۔ پہلے پتا نہیں ہوتا، آنکھیں بند ہوتی ہیں۔ بہت ساری ڈیوٹیاں وہ کر لیتا ہے، ان کو پتا ہی نہیں ہوتا۔ جب والد صاحب نہیں ہوتے پھر پتا چلتا ہے۔ وہ اپنے گھر میں بستر پر بیٹھے بھی ہوں تو کچھ نہ کچھ کرتے رہتے ہیں اور ان ساری باتوں کا پتا اولاد کو اس وقت چلتا ہے جب والد صاحب چل پڑتے ہیں۔ پھر پتا لگتا ہے کہ والد صاحب کیا کیا کرتے تھے۔ اللہ میاں نے والدین کو اپنے ساتھ رکھا ہے۔ میری عبادت کرو اور اپنے والدین پر احسان کرو۔ میری عبادت کرو اور اپنے والدین پر احسان کرو۔ بہت زیادہ زور دیا ہوا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ جس جس کو یہ نعمت میسر ہے اس کی قدر جانے، ان کی قدر کرے اور ان سے جنت حاصل کر لے۔

حضور اقدس ﷺ نے جبریل امین کے توسط سے بددعا دی ہے۔ ایک مرتبہ آپ منبر پر تشریف لے جانے لگے، پہلے Step پر قدم رکھا تو فرمایا: آمین، دوسرے پر قدم رکھا تو ایسا ہوا اور فرمایا: آمین، تیسرے پر قدم رکھا تو پھر ایسا ہوا اور فرمایا: آمین۔ خطاب کے بعد صحابہ کرام نے پوچھا۔ جب ایسی کوئی ان

ہوئی بات ہوتی تو اکثر صحابہ کرام پوچھ لیا کرتے تھے۔عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! آج ہم نے یہ نئی بات دیکھی ہے، یہ کیا تھا؟ فرمایا: جب میں پہلے Step پر آیا تو جبریل امین تشریف لائے اور مجھ سے کہا کہ بد بخت ہے وہ شخص جس نے رمضان کا مہینہ پایا، پھر وہ گزر گیا اور اس کی بخشش نہ ہوئی ،تو میں نے کہا: آمین ۔پھر کہا: بدنصیب ہے وہ بندہ جس نے اپنے والدین یا دونوں میں سے ایک کو پایا اور انہوں نے اس کو جنت میں داخل نہ کرایا، تو میں نے کہا: آمین ۔ پھر کہا: کم بخت ٹھہرا وہ شخص جس کے سامنے آپ کا ذکر ہوا اور اس نے آپ ﷺ پر درود نہ پڑھا ۔ میں نے کہا: آمین ۔

یہ بہت بڑی بات ہے ۔ آپ ﷺ نے کبھی کسی کو بد دعا نہیں دی لیکن یہ ایک بد دعا ریکارڈ میں ہے کہ آپ نے یہ کی ہے ۔ والدین بہت بڑی دولت ہیں ان کی قدر کریں ۔ والدین کو جتنی دفعہ دن میں مسکراتے ہوئے اندر سے خوش ہو کے دیکھیں گے اتنی ہی آپ کو عمرے کی جزا ملے گی، اس سے اندازہ لگائیں ۔اس سے بڑا اور کیا ہوگا؟ والدین کا بہت بڑا رتبہ ہے، بہت بڑا مقام ہے ۔ سب لوگ جن کے والدین زندہ ہیں سب ان کی قدر کریں ۔ان کو اُف تک کہنے کی اجازت نہیں ہے ۔اندازہ لگائیں ۔ یہ قرآن بتا رہا ہے کہ ان کے سامنے اُف بھی کرنے کی اجازت نہیں ہے ۔ان باتوں کو ذہن نشین رکھیں اور یہ اخلاق دائرے میں سب سے پہلی اور سب سے بلند بات ہے ۔ سب سے پہلے جو گھر میں والدین ہیں ان کا یہ مقام ہے اور اس کو قائم رکھنا ہے ۔

☆ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے لئے ڈاکٹر احمد رضا خان کی خدمات کو خراج تحسین پیش کیا اور مزید فرمایا:

آج کل وہ اس کے پیچھے پڑے ہوئے تھے ،ہم یہاں مین روڈ پر کوئی جگہ ڈھونڈ رہے تھے کہ کوئی جگہ ملے تو ہم چھوٹی سی ڈسپنسری سے ابتداء کریں ۔ یہ انصاری صاحب ؒ کی خواہش تھی ۔ میں نے اس سے کہا کہ فوراً کرو جو مرضی آئے کرو۔ایک دو آدمیوں سے انہوں نے بات بھی کی مگر یہ مسئلہ رہ گیا اور وہ چلے گئے ۔

ہمارا ارادہ ہے کہ ان شاء اللہ کسی ایک آدھ بیماری کا، تھوڑے سے ٹائم کے لئے کہیں اچھی جگہ ڈسپنسری کا افتتاح کریں ۔یہ انصاری صاحب کی خواہش تھی ۔ آہستہ آہستہ اللہ میاں توفیق دے گا، اس میں اللہ میاں برکت دے گا تو اسے اور بھی بڑھائیں گے، اور بھی بیماریاں اس میں ساتھ شامل کریں گے ۔ ڈاکٹر بھی ان شاء اللہ شامل کریں گے ۔یہ اپنے وقت پر ان شاء اللہ ایک اچھی ڈسپنسری بن جائے گی ۔ ہمارا ارادہ ہے ۔لیکن جو Spirit اور آگے بڑھنے کی عادت احمد رضا کو تھی وہ ہم میں سے اب پتا نہیں کس کی ڈیوٹی لگتی ہے ۔یہ کرنے والی بات ہے ۔

☆ سلسلہ عالیہ توحیدیہ میں ایک نئے بیعت ہونے والے مرید نے کہا کہ میں صبح کے وقت ذکر کرتا ہوں اور ذکر میں روزمرہ کے خیالات آتے ہیں نفی اثبات صحیح نہیں ہوتا۔اس پر فرمایا:

ہمارے ہاں ذکر بالجہر کا حکم ہے۔یہ کہ اونچی آواز میں ذکر کرو۔اس میں یہ ہے کہ دھیان نہیں ہٹتا لیکن یہ ساتھ ہی ہے کہ اگر مکینوں کو تکلیف ہے تو پھر ذکر بالجہر مت کریں۔پھر جلی ذکر کریں۔ایسا کہ صرف آپ سن سکیں۔اس کی اجازت ہے۔ظاہر ہے کہ صبح کے وقت بچے بھی سو رہے ہوتے ہیں اور بڑے بھی، ذرا مشکل ہو گی۔آپ جلی ذکر کیا کریں لیکن ایسا کہ اپنی آواز کی طرف دھیان دیا کریں تا کہ آپ کا دھیان ادھر اُدھر نہ ہٹے۔بس یہ کافی ہے۔ذکر بالجہر شام کو زیادہ آسانی سے ہوسکتا ہے کیونکہ اس وقت سب لوگ جاگ رہے ہوتے ہیں۔اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہوتے ہیں تو ان کا دھیان ایک دوسرے کی طرف کم ہی ہوتا ہے۔صبح کے وقت تو یکسوئی ہو گی۔اگر آپ ذکر بالجہر کریں گے تو سب الرٹ ہو جائیں گے کہ یہ کیا ہو گیا۔آپ کے لئے ذکر جلی صحیح ہے۔

☆ اللہ ذکر اذکار میں زیادہ توفیق دیتا ہے اور کہیں دے نہ دے۔جو ذکر کرتا ہے اسے اللہ میاں توفیق دیتا ہے کیونکہ وہاں شیطان آڑھے نہیں آتا۔جہاں ذکر ہوتا ہے وہاں سے شیطان کانوں میں انگلیاں دے کے دور بھاگتا ہے اس لئے اللہ میاں توفیق دے گا اور آپ لوگوں کو سرخرو کرے گا ان شاء اللہ۔

اللہ کی یاد زندگی اور موت دونوں کے لئے ہے۔مریں بھی اللہ کی یاد کے ساتھ اور زندہ بھی اللہ کی یاد کے ساتھ رہیں، یہی زندگی ہے۔یہ مختصر سی بات ہے باقی باتیں ہوتی رہیں گی۔زندگی بس ایسی ہونی چاہئے کہ بس اللہ ساتھ ہو۔خدانخواستہ خدانخواستہ اللہ کی طرف پیٹھ ہو گئی تو ہمارا کوئی یار و مددگار نہیں ہے۔کسی کا بھی کوئی یار و مددگار نہیں ہے۔اللہ کے سوا پھر کون ہوتا ہے؟ اللہ ہی ہے۔بس اللہ کو یاد رکھیں۔اپنے بچوں کو بھی ابھی سے یہ سکھانا شروع کر دیں کہ ہماری موت اور زندگی اللہ کے ساتھ ہے۔اللہ کو ساتھ رکھیں۔یہ بہت ضروری باتیں ہیں۔میں اکیلے بیٹھ کے سوچ رہا تھا کہ جب تک ہمارے ہاں مسلمانوں میں جہاد کا مسئلہ عام ہے۔اس پر بات ہوتی تو مسلمان بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے۔مسلمان پوری دنیا میں باعزت تھے۔مسلمانوں کا وقار تھا اور جب سے ہم نے جہاد کو نظر انداز کیا ہے ہم دن بدن ذلیل ہو رہے ہیں اور آج تو ہماری ذلالت کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ہم ہر لحاظ سے ذلیل ہیں۔ہم سے کوئی بات صحیح بن ہی نہیں پاتی۔آپ جو میرے پڑھے لکھے بھائی ہیں وہ ذرا غور کریں اور دیکھیں کہ ہم کہاں کہاں Loose کر رہے ہیں؟ آپ کو کوئی ایسی جگہ نہیں ملے گی جہاں ہم صحیح ہیں۔یہ سب اللہ کے احکامات کو نظر انداز کرنے کا نتیجہ ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں مصر میں عمرو بن العاص فاتح مصر وہاں شریک جہاد تھے، مصروف تھے، بہت دن ہوئے کوئی خوشخبری نہیں ملی تو حضرت عمرؓ نے حضرت عمرو بن العاص کو خط لکھا کہ اتنے دن سے آپ کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں ملی۔اس کی وجہ مجھے یہی نظر آ رہی ہے کہ اس کا مطلب ہے کہ تم لوگ خدا نخواستہ اللہ کے احکامات میں کوتاہی کرنے لگ گئے ہو۔یاد رکھو کہ ہماری فتح اور کامیابی جو ہے وہ اللہ کی یاد کے ساتھ ہے۔اگر ہم نے اللہ کے احکامات پر عمل کرنا چھوڑ دیا تو پھر فتح اور شکست دشمن کی مادی طاقت اور ہماری مادی طاقت کے درمیان ہوگی۔اس میں کوئی بھی جیت سکتا ہے۔آپ کیوں جیتیں؟ اگر ان کی طاقت زیادہ ہو تو وہ جیت جائیں گے اور آپ کی طاقت زیادہ ہوگی تو آپ جیت جائیں گے۔لیکن ہماری مسلمانوں کی فتح صرف اللہ کی یاد اور اس کے احکامات کی تعمیل میں ہے۔اگر یہ آپ نے چھوڑ دیا ہے تو اس کو فوراً حاصل کرلیں ورنہ خراب ہو جاؤ گے۔انہیں اطلاع نہیں ملی ہوگی تو انہوں نے فوراً لکھ دیا کہ اپنے آپ کو ٹھیک کرلو تم بگڑتے جا رہے ہو۔ہمارا مسلمانوں کا تو یہ سودا ہے۔اللہ میاں نے صاف کہا ہے کہ اگر تم لوگ مومن ہوئے تو کامیابی ہے ہی تمہاری۔

وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (سورۃ آل عمران ۳: آیت ۱۳۹)

تم مومن ہو، کامیاب تم ہو گے۔اب یہ ہماری مرضی ہے کہ ہم مومن بن کے کامیابی حاصل کریں یا غیر مومن ہو کے ذلیل ہوں۔یہ ہماری مرضی ہے۔اللہ میاں نے تو فیصلہ دے دیا۔تھوڑی سی سمجھ چاہئے۔اللہ میاں نے تو ایسے نقطے بتائے۔اللہ میاں ہمیں اپنی یاد سے نوازے، ہمیں غفلت سے بچائے۔بہت ہو گیا ہے۔اللہ ہماری راہنمائی فرمائے اور ہماری دستگیری فرمائے تاکہ ہم بھی آگے بڑھ کے دشمن کا مقابلہ کرسکیں۔

مسلمان قوم کی موجودہ صورتحال پر بات جاری تھی کہ فرمایا:

ایک بلبل ہے کہ ہے محوِ ترنم اب تک
اس کے سینے میں ہے نغموں کا تلاطم اب تک

اس مسلمان قوم میں کہیں نہ کہیں کچھ نہ کچھ اپنا بیج میں رکھا ہوتا ہے، کچھ نکل آتا ہے۔میں تو اس دور میں بھی کوئی ایسی بات کسی مسلمان کے بارے میں سنتا ہوں تو میرا دل بہت بڑا ہو جاتا ہے کہ چلو الحمد للہ کوئی ایک آدھ ہے۔ابھی پانی ہے، دم ہے۔میں خوش ہو جاتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ ہم پر رحم فرما۔

ہماری اپنی کوتاہیاں ہیں ورنہ اسلام کی تعلیم کو دیکھیں تو اس کا کوئی نعم البدل نہیں ہے۔اس کے بعد پھر ہمیں انصاری صاحب نے جو مختصر کر کے بتایا ہوا ہے اس کا اپنی جگہ کوئی نعم البدل نہیں ہے۔

مقصد تو یہ ہے کہ ہم عمل کریں ۔عمل کو پس پشت ڈال دیا تو پھر ہم میں اور دوسرے لوگوں میں کوئی فرق نہیں ہو گا پھر ہم بالکل ایسے ہو جائیں گے ۔اس لئے ہمیں بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے کہ ہم کم از کم اپنے آپ کو زندہ رکھیں، ہوشیار رکھیں ۔یہ زندگی ہے ۔اگر ہم اللہ کا ذکر کریں گے تو ہم زندہ رہیں گے، اللہ کا ذکر نہیں کریں گے تو ہم مردہ ہیں ۔یہ حضور اقدس ﷺ کا فیض ایسا نہیں ہے ۔زندگی کے آثار مسلمان قوم میں صرف اس وقت ہوں گے جب یہ اللہ کو یاد رکھیں گے اور اللہ کے احکامات پر عمل پیرا ہوں گے۔ورنہ اس کے بغیر ہم مردے ہیں۔ہم میں اور دوسرے لوگوں میں کوئی فرق نہیں ۔

☆ حلقہ ذکر میں ذکر کرانے والے سے باقی لوگوں کو اپنی آواز نیچے رکھنی چاہئیں ۔وہ جب نیچی بھی ہو تو پھر بھی بہت ساری آوازیں مل کر اس کے برابر ہو جاتی ہیں ۔اگر ایسا نہ ہو تو پھر وہ ردھم بھی صحیح نہیں رہتا۔ کسی ایک آدمی کو Follow کر کے اگر ذکر کریں تو پھر ردھم صحیح ہوتا ہے اور مزہ بھی زیادہ آتا ہے ۔

ایک بھائی نے کہا کہ اگر ذکر کرانے والے کی آواز ہی نیچی ہو تو پھر کیا کیا جائے؟ اس پر فرمایا:

ایک سپیکر لے لو۔وہ جو ذکر کرانے والا ہے اس کی آواز ذکر میں ذرا اونچی ہو گی تو باقی جتنا مرضی اونچا بولیں تو اس کی آواز اور اونچی ہو گی، پھر صحیح ردھم قائم ہو گا۔اتنے آدمی مل کے حلقے میں ایک چھوٹا سا سپیکر لے لو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ۔ایک سپیکر لے لو تا کہ ذکر کرانے والے کی آواز ذرا اونچی ہو جائے اور باقی آوازیں اس سے نیچی ہوں اور ردھم قائم ہو۔

☆ ہفتہ وار ذکر اس لئے ہے کہ سارے بھائی ایک دوسرے کے حالات سے آگاہ ہو جائیں ۔گپ شپ ہو جائے ۔باباجی نے حلقہ ذکر کے لئے گپ شپ کا لفظ استعمال کیا ہے کہ تھوڑا سا ذکر کیا کرو اور گپ شپ خوب لگایا کرو ۔ایک دوسرے سے کھل کے بات کرو تا کہ پیار بڑھے اور ایک دوسرے کی کوئی نہ کوئی بات پورا ہفتہ یاد رہے کہ پچھلے ہفتے فلاں نے یہ بات کر دی تھی ۔یہ یاد دہانی کا ایک ذریعہ بن جائے۔ سارے بھائی آپس میں مل جل کے ایک گھنٹہ گزاریں اور چلے جائیں ۔لوگ باقی مشاغل میں اکٹھے ہوتے ہیں، ہم ذکر کی محافل میں اکٹھے ہوں گے ۔یہ بڑا اچھا پروگرام باباجیؒ نے بنایا ہے ۔باقی اصل ذکر وہ آپ کا ذاتی ذکر ہے جو روزانہ آپ کرتے ہیں یا پھر باباجیؒ نے آخری دنوں میں بڑی کھل کے بات کی ہے ۔کہتے تھے کہ اپنے تجربے سے مجھے جو پتا چلا ہے وہ یہ ہے کہ جتنا ذکر خفی جو پاس انفاس ہے اس کا جتنا فائدہ ہے اتنا اور کسی ذکر کا نہیں ہے ۔یہ بڑی زبردست بات ہے ۔اس کی طرف دھیان دیا کریں ۔

پاس انفاس کے لئے انہوں نے ہمارے لئے اور آسانی کردی ہے کہ ایک تو ہمیں چوبیس گھنٹے پاس انفاس کا حکم ہے لیکن ایک آسانی انہوں نے اور فرما دی ہے کہ چوبیس گھنٹے میں ایک دفعہ دس سے پندرہ منٹ، بیس منٹ، پچیس منٹ اکیلے بیٹھ کے، اکیلے پاس انفاس کیا کریں۔اس سے فرماتے ہیں کہ آپ ذکر کرنے سے پہلے اور بعد میں دیکھیں، آپ کو خود پتا چلے گا کہ کتنا فائدہ ہوا ہے، پھر آخر میں تھوڑا سا درود شریف پڑھ لیا کریں۔یہ لکھتے ہوئے باباجیؒ نے یہ الفاظ لکھے ہیں کہ لوجی! میں نے وہ چیز بتادی ہے جو آج تک کسی نے کسی کو نہیں بتائی۔تو یہ باباجیؒ کی وہ باتیں ہیں۔ان پر جو عمل کرسکتا ہے وہ ضرور کرے ان سے بڑا فائدہ ہوتا ہے۔

☆ ایک بھائی نے حلقۂ ذکر کے ساتھ ہی کچھ دیر پاس انفاس کرنے پر بات کی تو اس پر فرمایا:
جب آپ ذکر سے فارغ ہوتے ہیں تو اس وقت یکسوئی ہوتی ہے۔اس وقت مزید پانچ منٹ کے لئے یکسوئی سے اللہ اللہ کرلیا کریں، اس میں کوئی برائی نہیں ہے۔فاتحہ وغیرہ ہو جائے تو پھر پانچ دس منٹ اللہ اللہ کرلیا کریں۔اس کے بعد چائے اور کھانا وغیرہ کھالیں۔پانچ دس منٹ اللہ کو دے دیا کریں۔ یہ بڑی اچھی بات ہے۔

(آن لائن محفل مورخہ ۱۴ جنوری ۲۰۲۱ء کی گفتگو سے اقتباسات)

☆ ہم نے اپنے دل میں سب سے پہلے کسی غیر بات کو جگہ نہیں دینی۔کسی ایسی بات کو جس سے کہ ہمارے اپنے بھائی کے متعلق یا اپنے سلسلے کے متعلق کوئی بات آئے اور ہمارے اس سے Annoyed ہونے کا خطرہ ہو، ایسی بات کو دل میں لانے کی بالکل گنجائش نہیں ہے۔
اللہ ہمارا تھا، ہمارا ہے، اور ہمارا رہے گا۔اللہ کو کسی حالت میں بھولنا نہیں ہے۔اگرچہ ہمارا دشمن اس کے پیچھے پڑا رہتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح ہم اللہ کو دل سے نکال دیں لیکن اس کے قابو نہیں آنا اس لحاظ سے کہ اللہ ہماری نظروں سے، ہمارے ذہن سے، ہمارے دل سے غائب ہو جائے۔اگر ایسا ہو جائے تو یہ ہماری بڑی کوتاہی ہوگی، بڑی غفلت ہوگی۔
تیسری بات یہ کہ جتنا بھی آپ سے ہو سکے لوگوں کو معاف کرنا سیکھیں۔کوئی بھی بات ہو۔یہ بڑی لمبی بات ہے۔حضور اقدس ﷺ نے آٹھ نو باتیں ایک حدیث مبارکہ میں کہی ہیں۔اس میں یہ ہے کہ جو لوگ مجھے محروم کریں میں ان کو عطا کروں، جو مجھ سے ٹوٹیں میں ان سے دوستی کروں، جو مجھ سے غصہ کریں

میں ان سے پیار کروں، اس قسم کی آٹھ نو باتیں ہیں اور بڑی پیاری باتیں ہیں۔ یہ بہت ضروری ہے۔ اگر ہم یہ کریں گے تو سمجھیں کہ ہم نے اپنا قدم ایمان میں بڑھا دیا۔

ایک بات ہے کہ جس کا اللہ کے لئے جینا اور اللہ کے لئے مرنا، اللہ کے لئے ناراض ہونا اور اللہ کے لئے خوش ہونا ہو تو یہ ایمان کی تکمیل کی علامت ہے۔ ایمان کی تکمیل کی یہ علامت ہے کہ ہم کسی سے ناراض ہوں تو اللہ کے لئے ہوں، کسی سے خوش ہوں تو اللہ کے لئے ہوں، ہمارا اس میں ذاتی مفاد کوئی نہ ہو۔ یہ ایمان کی تکمیل کی بات ہے۔ اس سے یہ ہوگا کہ ہم نہ کسی سے ناراض ہوں گے اور نہ ہمارا کسی سے گلہ ہوگا۔ جو کچھ ہوگا اسے ہم خود اپنے دل میں مٹا کے رکھ دیں گے، اس کے لئے دعا کر دیں گے کہ اللہ اس میں اگر میری کوتاہی ہے تو مجھے معاف کر دے اور اگر میرے بھائی کی کوتاہی ہے تو اس کو ہدایت عطا فرما۔ ہم دل میں اس کے لئے دعا کر لیں گے، اللہ تعالیٰ قبول کر لے گا تو اس کی بھی اصلاح ہو جائے گی اور اگر میری غلطی ہے، مجھ سے کوئی کوتاہی ہوئی ہے تو وہ بھی اللہ میاں معاف کر دے گا اور مجھے آئندہ کے لئے محفوظ کر دے گا۔

بس ہماری تعلیم کا دائرہ اسی کے گرد گھومتا ہے کہ ہم آپس میں پیار کریں۔ باباجیؒ نے بیعت نامے میں جس چیز کا ذکر کیا ہے اور اس کا عہد لیا ہے وہ ہے غصہ اور نفرت کو چھوڑنا۔ اگر ہم غصہ اور نفرت کو چھوڑ دیں گے اور محبت اور صداقت کو اپنا لیں گے۔ باباجیؒ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ یاد رکھو! میں نے صرف محبت نہیں، صداقت کا نام ساتھ لیا ہے، یہ نہیں کہا کہ صرف محبت، محبت ہی ہے۔ محبت ہے لیکن صداقت کا دامن ہاتھ میں مضبوط رکھنا، یہ بہت ضروری ہے۔ اس پر اگر ہم نے اپنا کنٹرول رکھا، غصے کو اگر ہم نے کنٹرول کر لیا اور نفرت سے دور ہو گئے تو ان شاء اللہ ہمارے اخلاق کی بہتری شروع ہو جائے گی، مکارم اخلاق میں ہم ایک قدم آگے بڑھنا شروع ہو جائیں گے۔ یہ ابتداء ہے۔ اگر اس کو ہم نے سیکھ لیا تو ان شاء اللہ ہم اپنی اخلاقی اصلاح میں کامیاب ہونے کے قریب ہو جائیں گے۔ اللہ ہماری مدد کرے۔ ان شاء اللہ ہم کوشش یہی کریں گے کہ ہر کسی سے پیار کریں، ہر کسی کی بات غور سے سنیں، اگر وہ اس قابل ہے تو اس پر عمل بھی ضرور کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

☆ سوال پوچھا گیا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ کوئی تو حیدی دستور کے مطابق تجدید بیعت نہیں کرتے یا سلسلہ سے کنارہ کشی اختیار کر لیتے ہیں؟ قبلہ انصاری صاحبؒ کے دور سے ایسے شواہد ملتے ہیں۔ اس کے جواب میں فرمایا:

بعض دفعہ ان کی اصلاح نہیں ہوئی ہوتی اور وہ خود پسندی میں پھنس جاتے ہیں، اس کے علاوہ

کوئی ایسی بات نہیں ہوتی ۔باباجیؒ کے ان مریدوں میں سے جنہوں نے آگے بیعت سے انکار کیا تھا،ان میں تعلیمی لحاظ سے بہت اچھے تھے، باباجیؒ بھی انہیں اچھا کہتے تھے اور سب بھائی بھی انہیں اچھا کہتے تھے لیکن انہوں نے بیعت نہیں کی ۔

انسان کے اخلاق کے مختلف حصے ہیں،ان میں ایک خاص حصے میں ان کی اصلاح نہیں ہوئی ہوتی جس کی وجہ سے شیطان ان پر قابو پا لیتا ہے،اصل بات ان سے غائب ہو جاتی ہے اور وہ پیچھے رہ جاتے ہیں ورنہ اور کوئی بات نہیں ہوتی ۔یہ ساری اخلاقی اصلاح کی بات ہے ۔پیر اپنی محبت کا واسطہ دے ۔آپ ذرا اس بات کو سوچیں کہ میں اپنی محبت کا واسطہ دیتا ہوں کہ آپ سب بھائی عبدالستار خان صاحبؒ سے تعاون کریں لیکن اس کے باوجود ہمارے کچھ بھائی اس سے بھی نہیں سمجھے تو یہ اصلاح نہ ہونے کی وجہ ہی ہو سکتی ہے اور کیا وجہ ہو سکتی ہے؟

یہ دیکھ لیں کہ وقت ان کا بھی گزر جاتا ہے ۔ان لوگوں میں کوئی ایسے تھے جو خود پیر بننا چاہتے تھے ۔کوئی ایسے تھے جو اپنی مرضی پر Insist کرتے تھے کہ اسے ہی بننا چاہئے ۔دونوں طرح کے لوگ Spoil ہو گئے، اپنے مدارج سے گر پڑے ۔پھر وہ بات ان میں نہیں رہی تھی جو پہلے کبھی تھی ۔بہر حال آپ جانتے ہیں کہ ہمارا جو Partner ہے وہ بڑا Active ہے اور اسے اللہ تعالیٰ نے طاقت دی ہوئی ہے کہ جو میرے مخلص بندوں کے علاوہ کوئی بھی ہو اسے اگر آپ الگ کرنا چاہیں تو کریں ۔وہ کرتا ہے ۔اس میں ذرا کوتاہی نہیں کرتا ۔

صرف مخلص بندے جن کا قرآن بتاتا ہے کہ میرے مخلص بندوں پر تمہاری کوئی طاقت نہیں چلے گی ۔میرے بھائی! آپ سب مخلص بننے کی کوشش کریں ۔صرف اللہ کا مخلص بندہ ہی بچے گا ۔آپ لوگوں کا جو رستہ ہے وہ اس امتحان کے لحاظ سے نازک ترین رستہ ہے ۔آپ کے رستے والوں کو شیطان سب سے پہلے پڑتا ہے ۔یہاں آپ کو بہت Alert رہنا پڑتا ہے ۔علماء حضرات جو ہیں ان کا علم انہیں اس طرف جانے نہیں دیتا لیکن جو صوفی لوگ ہیں یہ لکیر کے فقیر ہیں ۔یہ اگر لکیر کے فقیر رہے تو اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرتا ہے ۔زیادہ باتوں میں بہت کم لوگ جاتے ہیں، جو جاتے ہیں پھر وہ بہت آگے نکلتے ہیں ۔عام لوگ جو ہیں وہ یہی کہتے ہیں کہ بس مجھے میرے بابے نے جو کہا ہے وہ یہی بات ہے، میں نے دوسری بات ماننی ہی نہیں، جو مرضی ہے کوئی کرے ۔اسی میں رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ انہیں کامیاب بھی کرتا ہے ۔

جو پڑھے لکھے لوگ ہوتے ہیں انہیں گہرائی میں جانے کی عادت ہوتی ہے،ان کے پاس بھی نالج ہوتا ہے،اس میں بھی اللہ تعالیٰ کامیاب کرتا ہے اور یہ بہت آگے کے لوگ ہیں، بہت آگے نکل جاتے ہیں

۔باقی عام لوگ اگر اپنے خلوص میں ہی قابو رہیں، خلوص پر کنٹرول کریں، اسی میں رہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے لئے یہی بہت کر دے گا، کامیاب ہو جائیں گے ۔جیسا میں نے کہا کہ اللہ کے لئے پیار اور اللہ کے لئے غصہ جو آدمی کرنا شروع کر دے تو وہ بہت اچھا ہے ۔آپ کا اگر کسی بھائی سے پیار ہے لیکن پیر نے آپ سے کہا ہے کہ ہم نے خلیفہ اسے مقرر کیا ہے تو آپ کی اپنی سوچ اس قابل نہیں ہے کہ آپ اس کا مقابلہ کریں ۔اس اپنی سوچ کو بھول جائیں ۔جو کچھ آپ کے پیر کا حکم ہے اسے آپ مانیں ۔وہاں تقاضا اسی بات کا ہے ۔جب پیر نے کہا تو اللہ کی خواہش بھی وہی ہے جو پیر نے کہا ہے کہ ایسا کرنا ہے ۔جب عبدالستار خان صاحب کو بابا جیؒ نے اپنا خلیفہ بنایا تھا تو کسی کو اپنی Choice پیش کرنے کی اجازت نہیں تھی ۔تھی تو پہلے جب یہ سلیکشن ہوئی تھی تو اسی وقت پہلے سامنے کھڑے ہو کے بات کرتے تا کہ باقی لوگوں کو بھی وہاں بات کرنے کا موقع ملتا اور وہاں کوئی Amendment ہو جاتی یا بابا جیؒ سب کو مطمئن کر لیتے ۔اس وقت کوئی نہیں بولا ، دل میں رکھ کے بیٹھے رہے، جس وقت آپ کا وصال ہو گیا تو پھر یہ چیز سامنے لائے تو یہ غلط تھی ،سراسر غلط تھی ،اللہ کی منشاء نہیں تھی ۔اس لئے جس نے یہ کیا وہ بے چارہ فیل ہو گیا ،سائیڈ پہ چلا گیا ،حلقے سے کٹ گیا ۔کیا انجام ہوا؟ اتنی اچھی ابتداء اور پھر انجام کیا ہوا؟ مجھے ایک دو آدمیوں کا ایسا جانا یاد ہے، اللہ تعالیٰ معاف کرے ۔ہمیں بس اللہ کا مخلص بندہ بننا چاہئے اور اللہ کی مرضی مدنظر رہے ۔ہمارے لئے ہمارا راہنما پیر ہے ۔پیر جو کہتا ہے وہ وہی کہے گا جو اس کی مرضی ہے اللہ کے فضل سے وہی ہوگا ۔اس کو Follow کرنا ہی ہمارے لئے بہتر ہے ۔

☆ ایک بھائی کی بوجہ ملازمت حلقہ ذکر سے غیر حاضری کی بات پر فرمایا:

وہ یہاں نہیں آ سکتا تو ملتان میں بھی ہمارا حلقہ ہوتا ہے، وہ وہاں آ سکتا ہے ۔جو آدمی جس کو کہیں ذرا بھی ذکر کرنے کا شوق ہو تو وہ جہاں کہیں بھی جائے تو اسے حلقہ کرنے کی جگہ مل جائے گی ۔آدمی کہیں بھی حلقے میں شامل ہو سکتا ہے ۔ہم کوئی ایک دوسرے سے غیر تو نہیں ہیں، ایک دوسرے سے ناواقف تو نہیں ہیں اگر میں یہاں سے اچانک ملتان چلا جاؤں اور وہاں ذکر میں شامل ہو جاؤں تو مجھے کوئی انکار تو نہیں کر سکتا کیونکہ میں حلقے کا آدمی ہوں ۔

ہم جہاں کہیں بھی ہوں، ہمیں حلقے میں شامل ہونا چاہئے اور خاص طور سے جب میں اپنے حلقے میں شامل نہیں ہو سکتا، کہیں باہر ہوں تو پھر کہیں اور شامل ہونے میں ہمیں کوئی حجت نہیں ہونی چاہئے ۔ہم ضرور وہاں شامل ہوں ۔یہ باتیں انہیں سمجھائیں اور انہیں بتائیں کہ اتنی زندگی گزر گئی ہے، آپ کا کیا خیال ہے کہ جتنی زندگی آپ نے گزاری ہے، اتنی اور ہے؟ کیوں اپنا وقت ضائع کرتے ہو؟ آپ نے

مرنا نہیں ہے؟ موت تو یقینی ہے، اس میں کوئی شک شبہ نہیں ہے۔ مرنے سے پہلے اگر آپ اللہ کی طرف رستے میں چار قدم لے لیں تو یہی چار قدم چار ارب قدم بن جائیں گے۔ اللہ اپنی مرضی سے بنا دے گا، جس نیت سے آپ چلے ہیں، وہ نیت Count ہوگی۔ اگر آپ نے خلوص نیت سے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پڑھا کہ اللہ میاں میں آپ کی طرف آ گیا، اس طرح ایک قدم بھی لے لیا تو اس کی وہ قیمت ہوگی جو اچھے اچھوں کو بھی نصیب نہیں ہوتا۔ ہم سب کے لئے ایک قدم لینے کی بھی بڑی بات ہے اگر آپ خلوص سے، پیار سے ایک قدم بھی لیتے ہیں کہ اللہ میرا یہ قدم قبول فرما اور آئندہ مجھے استقامت عطا فرما۔ اللہ میاں جانتا بھی ہے اور سنتا بھی ہے، اور جب چاہتا ہے تو کرم کر بھی دیتا ہے۔

اسے بتائیں کہ یہ دنیا کے کام ہوتے رہیں گے۔ آپ کو ہم ملازمت سے نہیں نکالتے۔ ملازمت کریں، شوق سے کریں بلکہ ہم کہتے ہیں کہ دوسروں سے زیادہ کام کریں لیکن اللہ کو کسی صورت نہ بھلائیں۔ حلقۂ ذکر کے لئے تیس دنوں میں ایک دن اللہ کو دے دیں۔ کیا فرق پڑے گا؟ کوئی کمی نہیں ہوگی۔ مہینے کے تیس دن ہیں تو ان میں سے ایک دن اللہ کی یاد کو دے دیں۔

☆ سلوک کے موضوع پر بات ہو رہی تھی تو اس میں آپ نے فرمایا:

بایزید بسطامیؒ نے ابوالحسن خرقانیؒ کا سلوک طے کرایا۔ یہ بہت بعد میں گزرے لیکن بایزید بسطامیؒ ان سے بہت پہلے گزرے تھے۔ انہوں نے اتنے عرصے کے بعد ان کا سلوک طے کرایا۔ خود ہمارے باباجیؒ کے متعلق یہ مشہور ہے کہ آپ نے بابا فرید گنج شکرؒ کا سلوک طے کرایا۔ یہ ہو سکتا ہے تو کیا ہمارا نہیں ہو سکتا؟ ہمارے سلسلے کے بھائیوں کا نہیں ہو سکتا؟

مرنے کے بعد بھی روح تو نہیں مرتی۔ روح تو زندہ ہوتی ہے۔ یہ سلسلہ چلتا ہے۔ جو کہتا ہے کہ جس کو دیدار نہیں ہوا وہ اگلوں کو بیعت کر کے کیسے سلوک طے کرا سکتا ہے۔ یہ بڑا Genuine point ہوتے ہوئے بھی کوئی Genuine نہیں ہے۔ وہاں زندگی کا مسئلہ نہیں ہے۔ وہاں روحانیت کی بات ہے۔ روح سلوک طے کرتی ہے۔ یہ ہو جاتا ہے۔ کروا بھی دیتی ہے اور کر بھی لیتی ہے۔

سوال کرنے والے نے دوبارہ دریافت کیا: سلسلہ توحیدیہ میں یہ جو سلوک کی بات ہے، یہاں دیدارِ ذاتِ باری تعالیٰ کے لئے بہت اعلیٰ معیار چاہئے۔ یہ کیسے ہوگا؟ خاصا مشکل ہے۔ اس پر فرمایا:

آپ نے سلسلے میں جو شمولیت حاصل کی ہے اللہ تعالیٰ آپ کی وہ نیت پوری کرے گا۔ عمل کرنا آپ کا کام ہے۔ عمل کرنا ہے۔ عمل کریں۔ عمل، عمل اور صرف عمل۔ پورے خلوص اور پورے پیار سے

اتنا بڑا دل رکھ کے عمل کرو۔ یہ نہیں کہ بقول بابا جیؒ کے کہ دو دن معشوق کے گھر کے چکر لگائے، تیسرے دن گلہ کرنے کہ مجھے ملا نہیں ہے۔ ایسی بات نہیں ہے۔ یہ اللہ ہے۔ اللہ کو اللہ سمجھتے ہوئے اس کا پیچھا کریں اور پیار کریں پھر وقت لگتا ہے۔ وقت بھی لگے گا اور آپ کو کبھی تنگی بھی محسوس نہیں ہوگی ان شاء اللہ۔ آپ خوش و خرم، دل دریا بنا کر جاتے جائیں گے اور آپ کو بالکل کسی چیز کی پرواہ نہیں ہوگی۔

جب آپ نے سلوک کے لئے کسی بزرگ کے ہاتھ میں ہاتھ دیا ہے، پیار کیا ہے اور جس کے لئے وعدہ کیا ہے وہ وعدہ کیوں پورا نہ ہو؟ آپ نے اپنے سے وعدہ کیا ہے؟ آپ نے اللہ سے وعدہ کیا ہے۔ اللہ سے وعدہ کرو گے تو وہ پورا نہیں ہوگا یہ کیسے ممکن ہے؟ اپنے آپ کو ان چکروں سے بالکل باہر نکال کے رکھو کہ ہم ان شاء اللہ، ہمارے مقدر میں جو ہوگا ہمیں مل جائے گا۔ اور یہ ضرور ملے گا جس کے لئے آپ نے قدم اٹھایا ہے، حلقہ Join کیا ہے۔ کیوں نہیں ہوگا؟ یقیناً ہوگا۔

☆ سوال کیا گیا کہ توحیدیہ سلسلہ میں دیدار ذات باری تعالیٰ تک سلوک کی بات ہے اور فرمایا گیا ہے کہ یہ اس راہ کے لاکھوں سالکین میں سے ایک دو کو ہی زندگی میں میسر آتا ہے۔ سلسلہ توحیدیہ میں اگر کسی دور میں شیخ سلسلہ کا یہ سلوک خود ہی طے نہ ہوا ہو تو وہ کیسے یہ سلوک طے کرا سکتا ہے؟ اس پر فرمایا:

بالکل صحیح بات ہے یہ Logical لگتا ہے لیکن اس نے سلوک کا کوئی رستہ تو طے کیا ہے، اس رستے پر تو چلا ہے وہ اپنے تک تو پہنچا سکتا ہے اور اس سے آگے ہمارے سلسلے کے جو بزرگ ہیں وہ بھی غائب تو نہیں ہو گئے، اللہ کے فضل سے ادھر ہی موجود ہیں، وہ ان کی راہنمائی کریں گے، کوئی آدمی بغیر راہنمائی کے نہیں بچے گا۔ جو آگے بڑھنا چاہے گا اس کی راہنمائی ہوگی۔ اور جہاں تک جو آدمی جا سکتا ہے وہاں تک تو لے جائے گا، اور اس سے آگے راہنمائی اس کا پیر کرے گا۔ اور یہ کیوں رہے گا؟ یہ بھی آگے بڑھے گا ان کے ساتھ ہی ان شاء اللہ۔ کوئی بھی اللہ کے فضل سے پیچھے نہیں رہے گا۔

بات صرف عمل کی ہے اور نیت کی ہے۔ اللہ میاں آپ سے ویسے ملے گا جیسے آپ کی نیت اللہ کے متعلق ہے۔ یہ یاد رکھیں۔ آپ کی اپنی سوچ جو ہے جیسی اللہ کے متعلق ہے ویسے اللہ آپ سے ملے گا۔ انسان کو مکمل ہونے کے بعد ہی دیدار ہو سکتا ہے پہلے نہیں ہو سکتا۔ جیسے حضور اقدس ﷺ کے نقش قدم پر پورا چلنے والا ہو اور آپ ﷺ کے اخلاق کی کاپی ہو تو صرف وہی آدمی اللہ کا دیدار حاصل کر سکتا ہے۔ اس میں جتنی بھی دیر لگے لیکن جو آدمی لائن پر لگ گیا اور بقول بابا جیؒ کے لائن میں لگے ہوئے ہیں، لائن پر لگ گیا تو اس کے لئے مایوسی کی کوئی بات نہیں ہے۔

دیدار کا بھی کوئی ایسا تو نہیں ہاں کہ جیسے آپ میرے سامنے آ گئے دیدار ہو گیا۔اللہ اللہ ہے۔ اللہ کے دیدار کے کئی مراتب ہوں گے۔کوئی Initial stage کا ہوگا،کوئی کیسا ہوگا۔ایسا کسی کو نہیں ہوگا جیسا حضوراقدس ﷺ کو ہوا۔یہ نہیں ہے کہ سب کے لئے کہ سامنے آ گئے تو دیدار ہو گیا یہ بات نہیں ہے۔ اللہ اللہ ہے۔ہر کسی کے لئے اپنے مراتب ہیں۔ہر کسی کا اپنے اپنے مرتبے کے مطابق اس کو دیدار ہوگا۔ اس کے اپنے مرتبے کے مطابق،اس کی اپنی اخلاقی قوت کے مطابق دیدار ہوگا۔ایسا نہیں ہے کہ سب کو ایک ہی طرح کا ہوگا۔

سلوک تو مرنے کے بعد بھی چلتا ہے۔روح تو نہیں مرتی۔روح تو زندہ ہوتی ہے۔یہ سلسلہ چلتا ہے۔جس بھائی نے کہا ہے کہ جن شیخ سلسلہ کو دیدار نہیں ہوا تو وہ دوسروں کو بیعت کر کے کیسے سلوک طے کرا سکتا ہے۔یہ بظاہر بڑا Genuine point ہوتے ہوئے بھی کوئی Genuine نہیں ہے۔ وہاں زندگی کا مسئلہ نہیں ہے۔وہاں روحانیت میں روح سلوک طے کرتی ہے اور یہ طے ہو جاتا ہے،کروا بھی لیتی ہے اور کر بھی لیتی ہے۔

☆ دیدار ذات باری تعالیٰ کی بات چل رہی تھی تو اس میں فرمایا:

یہ صرف بابا جی انصاری صاحبؒ نے ایسی بات کی ہے۔آپ لوگوں میں اور کسی کے علم میں ہے کہ کسی اور نے ایسا کہا ہو؟ بابا جیؒ واحد آدمی ہیں جنہوں نے کہا کہ ساٹھ سال میں جو کچھ میں چاہتا تھا اللہ میاں نے دے دیا،اللہ میاں کا شکر ہے۔اللہ میاں نے مجھے دے دیا،مجھے دیدار ہو گیا۔اس کے بعد یہ اصول اور ساری باتیں Sequence سے ہوئیں۔

دیکھیں کہ ہم لوگ بڑے عجیب ہیں اگر ہم اسے سمجھیں۔یہ صرف تو حیدی ہیں جو اس طرح کھل ڈھل کے اللہ میاں کے بارے میں یہاں باتیں کرتے ہیں۔کہاں اللہ اور کہاں اس کی مخلوق۔یہ صرف تو حیدی ہیں جو اللہ کے بارے میں ایسے کھلی بات کرتے ہیں کہ ایسے دیدار کریں گے،دیدار ہوگا،یہ ہوگا۔کسی اور سلسلے کے بزرگ ترین آدمی سے بات کریں تو اس موضوع پر بات بھی نہیں کرتا۔یہ اعجاز صرف انصاریؒ کے مریدوں کو راس آیا ہے،انہوں نے خود سکھایا ہے۔اللہ اللہ ہے اگر اس سے نہیں پوچھیں گے،اس کے آگے نہیں جائیں گے تو اور کہاں جائیں گے؟ یہ انصاری صاحبؒ کا لکھا سبق ہے۔اُنہوں نے ازبر کرا دیا۔آج آدمی بیعت ہوتا ہے اور کل کہتا ہے کہ اللہ مجھے اپنا دیدار کرا دے۔ سبحان اللہ۔یہ معمولی باتیں نہیں ہیں۔

(آن لائن محفل مورخہ ۲۸ جنوری ۲۰۲۴ء کی گفتگو سے اقتباسات)

سلسلہ توحیدیہ کی ترویج کیلئے عملی اقدامات

(عبدالقیوم ہاشمی)

قرآن مجید میں ہے کہ "اے ایمان والو اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہو نگے"۔ (التحریم 6)

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کو سب سے پہلے اپنی ذات کو دوزخ کے عذاب سے بچانا فرض ہے۔ اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ ساری دنیا کی اصلاح کی اپنے دل میں ٹھان لینے سے پہلے اپنی اصلاح اور فلاح کے مرحلے سے گزرا جائے اسکے بعد جو آپ کے زیر اثر لوگ ہیں ان کی فکر کی جائے۔ لہٰذا قرآنی طریقہ تعلیم میں ہماری ذاتی اور انفرادی اصلاح کو ہی مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ دیگر لوگ جو پہلے اصلاح کے دائرے میں آتے ہیں وہ ہمارے اہل و عیال اور عزیز و اقرباء ہیں۔ اس ضمن میں حضور نبی کریم ﷺ ہمارے لئے بہترین نمونہ ہیں۔ آپ ﷺ کو اعلان نبوت سے قبل ہی عرب معاشرے میں صادق و امین کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ کفار و مشرکین بھی عقیدے کے ٹکراؤ کے باوجود اپنی امانتیں آپ ﷺ ہی کے پاس رکھتے تھے۔ اس لئے اللہ کی طرف لوگوں کو بلانے سے پہلے اپنے اخلاق کا تزکیہ کرنا فرض ہے۔ اس کے بغیر دعوت الی اللہ کے مشن پر گامزن ہونا قرآنی اصولوں کے خلاف ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ "یعنی راہِ الٰہی کی طرف دعوت دیجیے حکمت اور نصیحت بھری باتوں سے"۔ چنانچہ اللہ کی طرف بلانے والے ایک داعی کیلئے

ضروری ہے کہ وہ صاحب حکمت ہو اور فرمان الٰہی کے مطابق صاحبِ حکمت کو ہی خیر کثیر عطا کی جاتی ہے۔ لہٰذا صاحب حکمت و صاحب یقین اور فلاح یافتہ شخص ہی مصلح بننے کا اہل ہے۔ اسلامی معاشرے کے بگاڑ کا اصل محرک اور وجہ بھی یہی ہے کہ علماء وصوفی حضرات اور مبلغین اعلیٰ اخلاق سے آراستہ ہوئے بغیر ہی اصلاح کے میدان میں کود پڑتے ہیں حالانکہ وہ خود ابھی قابل اصلاح ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی معاشرہ میں نفرت، حسد، تفرقہ، عدم مساوات اور دیگر روحانی بیماریاں ہمارے معاشرے کو دیمک کی طرح چاٹ رہی ہیں اور معاشرہ فتنہ و فساد کا منظر پیش کر رہا ہے ایسے ہی لوگوں کے بارے میں قرآن میں آتا ہے کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ فساد مت پھیلاؤ تو وہ کہتے ہیں ہم تو اصلاح کر رہے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ جب مسلمان اسلام کے مطابق عمل کرتے تھے تو دنیا کے لوگ انکی تجارت، دیانت، امانت، تقویٰ اور شرافت کو دیکھ کر بھی مسلمان ہو جاتے تھے۔ سارا مشرقِ بعید مسلمانوں کے لشکروں سے فتح ہو کر نہیں بلکہ مسلمان تاجروں کے اعلیٰ اخلاق اور کردار دیکھ کر مسلمان ہوا تھا لیکن جب مسلمانوں نے اسلام پر عمل پیرا ہونا چھوڑ دیا تو دنیا اب علماء کا بھی کوئی اثر قبول نہیں کرتی۔ کیونکہ اصل چیز کردار تھا جو دلوں پر اثر کرتا تھا۔ بانی سلسلہ توحیدیہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ مسلمانوں کے حالات اور زندگی کے طویل تجربہ سے اس نتیجہ پر پہنچ گئے کہ مسلمانوں کی پوری زندگی اور اسکے مختلف شعبوں کے فساد کا اصل سبب اخلاص کی کمی اور اخلاق کا بگاڑ ہے اور وقت کا سب سے بڑا اور ضروری کام اخلاص و اخلاق کا پیدا کرنا ہے اور اس کا سب سے موثر ذریعہ محبت ہے اور محبت کا ذریعہ ذکر و صحبت ہے۔ اس اخلاص اور محبت سے ہر دینی کام اور ہر اصلاحی کوشش میں جان پڑتی ہے، اسی سے عبادات میں روحانیت، علم میں نورانیت اور تعلیم و تدریس میں برکت و قوت، واعظ و ارشاد میں تاثیر، تبلیغ و دعوت میں قبولیت اور

معاملات زندگی میں ایثار وقربانی اور استواری پیدا ہوتی ہے۔

ایک مغربی مفکر (ایمرسن) کا قول ہے کہ انسان دراصل وہی کچھ ہے جو وہ تمام دن سوچتا ہے۔ ذکر کی آخری انتہاء یہ ہے کہ ہر وقت سوچ اور دھیان اللہ کی طرف لگا رہے خواہ دنیا کے کام کر رہا ہو، تجارت یا کھیتی باڑی کرتا ہو مگر خیال ہر وقت اسی طرف رہے جیسے کسی کو سر درد ہو تو اگر چہ وہ باتیں کرتا رہتا ہے اور کام بھی کرتا رہتا ہے لیکن خیال درد کی طرف رہتا ہے۔

کسی بزرگ سے پوچھا گیا کہ استقامت کے کیا معنی ہیں؟ فرمایا ذکر اللہ میں اس قدر پختگی حاصل ہو جائے کہ جب تک ذکر پورا نہ کر لے سکون نہ ہو، بے قراری سی رہے اور جب ذکر پورا کر لے تو طبیعت میں فرحت وسکون اور سرور محسوس ہو۔ فرمایا جب کوئی اس درجہ پر پہنچ جائے تو اسکا تمام وجود ہی تبلیغ بن جاتا ہے۔ حضور ﷺ ابتدائی چالیس سالہ زندگی میں کفر وشرک، بت پرستی، بد اخلاقی کے تمام مظاہرے دیکھا کرتے تھے مگر آپ غار حرا تشریف لے جاتے اور اللہ کی یاد میں مشغول رہتے تھے اور اس وقت تک عرب معاشرہ میں اصلاح و تبلیغ کا آغاز نہ فرمایا جب تک اللہ تعالیٰ کا حکم نازل نہ ہوا۔ امام غزالیؒ خود اپنے متعلق فرماتے ہیں کہ حصول یقین و اخلاص کے بعد کے مشاغل وخدمات اور اس سے پہلے کے امور میں زمین وآسمان کا فرق تھا، پہلے میں یہی کام تقاضائے نفس یا ضابطہ کی تکمیل کیلئے کرتا تھا اب حکمِ الٰہی سے۔ اس لئے چراغ سے چراغ جلانے سے پہلے اپنے چراغ کو جلانا چاہیے۔ اس چراغ کا تیل اخلاص اور تعلق باللہ سے کشید ہوتا ہے اور محبت الٰہی کے شعلہ وشررے سے روشن ہوتا ہے۔

سلسلۂ توحیدیہ کی تعلیم کا فروغ اور ترویج اسی وقت ثمر آور ہوگی جب ہم سب بھائی سلسلہ توحیدیہ کی تعلیمات پر خود جوش وخروش سے عمل کریں گے اسکے لئے پہلے ہمیں انفرادی

اصلاح کی جانب بڑھنا ہوگا۔اور یہ اصلاح زندگی کے آخری دم تک جاری رہنی چاہیے۔ ارشادِ ربانی ہے۔"اپنے رب کی بندگی کرتے رہو مرتے دم تک"۔

تمام مفسرین یہاں یقین کا ترجمہ موت کرتے ہیں تا کہ کوئی بھی شخص یہ خیال کر کے اپنی اصلاح ترک نہ کردے کہ میں کامل ہوں اور صاحبِ یقین ہوں اس لئے اللہ کی بندگی سے آزاد ہو چکا ہوں۔یہ بھی شیطان کی ایک چال ہے جس میں ہمارے اکثر صوفی حضرات گمراہی کے مرتکب ہو کر نمازیں اور دیگر شرعی امور ترک کردیتے ہیں۔انبیائے کرام کا طریقہ اصلاح یہی ہے کہ اپنے نفس کا تزکیہ کیا جائے اور پھر دوسروں کی اصلاح کی فکر کی جائے۔ ہمارے اکابرین کا طریقہ بھی یہی رہا ہے۔رسول کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ "مسلمانوں میں کامل ایمان اس کا ہے جس کا اخلاق اچھا ہے"۔اس ضمن میں ہم سب بھائیوں کو ہر لحظہ اپنا جائزہ لیتے رہنا چاہیے کیونکہ اگر ہمارا اخلاق و کردار عام لوگوں جیسا ہی ہوگا تو کوئی بھی شخص سلسلہ توحیدیہ کی تعلیم سے متاثر نہ ہوگا۔الٹا ہم سلسلہ کی تعلیمات میں خود رکاوٹ بنیں گے۔ جب ہمارا اخلاق اور کردار بلند ہوگا تو یقیناً سلسلہ توحیدیہ کی تعلیمات کو فروغ حاصل ہوگا۔ ہمیں چاہیے کہ ان تعلیمات سے اپنے دوستوں اور عزیز و اقرباء کو ضرور متعارف کروائیں۔ اس طرح سلسلہ توحیدیہ کی تعلیم کی ترویج و ترقی میں بہت پیش رفت ہوسکتی ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی اور اپنے احباب کی اصلاح کی توفیق عطا فرمائے اور سلسلہ توحیدیہ کی تعلیم کو معاشرہ میں فروغ اور ترقی عطا فرمائے۔آمین یا رب العالمین۔

سائنس اور قریب الموت تجربات

(کیا شعور دماغ پر منحصر ہے؟ چوتھا حصہ: طبعیات اور شعور)

(مصنف: کرس کارٹر)

ترجمہ: سید رحمت اللہ شاہ

بہت سے لوگ جسے "جدید، سائنسی نقطۂ نظر" سمجھتے ہیں، درحقیقت یہ نیوٹن کی کلاسیکی طبعیات کی وراثت ہے، جسے بیسویں صدی کے ابتدائی سالوں سے بنیادی طور پر غلط تسلیم کیا جا چکا ہے۔ جیسا کہ ہم دیکھیں گے، مادیت پسندوں کے کئی دلائل کلاسیکی طبعیات اور اس کے پیدا کردہ نقطہ ہائے نظر پر مبنی ہیں۔ تاہم، کئی طبعیات دان اب یہ مانتے ہیں کہ جدید طبعیات ذہن اور دماغ کی باہمی تعامل کے دوہرے ماڈل کی حمایت کرتی ہے۔ اب ہم اسی موضوع کی طرف آتے ہیں۔

قدیم اور قرونِ وسطیٰ کے فلسفہ ہائے دنیا و زندگی:

قدیم یونانی فلسفیوں نے سائنس کی بنیاد یہ خیال کرتے ہوئے رکھی کہ فطرت قابلِ فہم ہے۔ جب ان کی تحریریں قرونِ وسطیٰ کے آخر میں نشاۃ ثانیہ کے لیے زمین ہموار کرتے ہوئے دوبارہ دریافت ہوئیں تو انہیں ایک کھوئے ہوئے سنہری دور کی حکمت سمجھا گیا؛ ان قدیم فلسفیوں میں سے کوئی بھی ارسطو سے زیادہ قرونِ وسطیٰ پر اثر انداز نہیں ہوا۔

ارسطو (Aristotle) نے محسوس کیا کہ جو جسمانی مظاہر ہم مشاہدہ کرتے ہیں وہ بنیادی طور پر مادے کی حرکت ہیں۔ اس لئے اس نے اشیاء کی حرکت کو چند بنیادی اصولوں سے بیان کرنے کی کوشش کی، جیسا کہ ہم آج طبعیات میں کرتے ہیں؛ لیکن اس کا طریقہ یہ تھا کہ ان اصولوں کو بدیہی طور پر واضح حقائق کے طور پر اخذ کرے۔ مثال کے طور پر ارسطو نے کہا کہ کوئی شے کائناتی مرکز کے لحاظ سے سکون چاہتی ہے، جو بظاہر زمین ہے۔ ایک شے زمین کی طرف اس لیے گرتی ہے کہ اس کی خواہش ہے کہ وہ کائناتی مرکز سے

جڑ جائے۔اس لیے ایک بھاری شے ''ظاہر ہے'' ہلکی شے سے زیادہ تیزی سے گرے گی کیونکہ اس کی مرکز کے ساتھ جُڑنے کی خواہش زیادہ ہے۔اور کامل آسمانوں میں، آسمانی اشیاء زمین کے کائناتی مرکز کے گرد کامل دائروں میں گھومتی ہیں۔

یونانی فلسفی فطرت کے متضاد نظریات پر غیر معینہ مدت تک بحث کرتے، بالکل اسی طرح جیسے وہ سیاست یا جمالیات کے نظریات پر کرتے تھے۔ارسطو نے اپنے نظریات کو پرکھنے کی تجویز نہیں دی، اور اس لیے ترقی ناممکن تھی؛ سائنس کا تصور تو ہو چکا تھا، لیکن اس کی پیدائش ابھی نہیں ہوئی تھی۔

دوسری صدی عیسوی میں، اسکندریہ کے بطلیموس (Ptolemy) نے ایک فلکیاتی نظام تیار کیا، جو اس تصور پر مبنی تھا کہ سیارے زمین کے گرد کامل دائروں میں گھومتے ہیں۔صحیح طور پر، سیاروں کی پیچھے اور آگے ''آوارہ'' حرکت (سیارہ کا مطلب یونانی میں ''آوارہ'' ہے) کی وضاحت کے لیے، بطلیموس نے سیاروں کو ایسے دائروں میں حرکت دی جو دوسرے دائروں پر گھومتے ہیں، جسے Epicycles (ایک چھوٹا دائرہ جو بڑے دائرے کے مرکز کے گرد گھومتا ہے) کہا جاتا ہے۔تاہم، یہ نظام اتنا درست تھا کہ اس نمونے پر مبنی کیلنڈرز بہت مؤثر طریقے سے کام کرتے تھے، اور سیاروں کی جگہوں کی پیش گوئیاں بھی درست تھیں۔

قرونِ وسطیٰ کے آخری ادوار میں، ارسطو اور بطلیموس کے نظریات زیادہ تر تھامس ایکوائنس (Thomas Aquinas) کے کام کی وجہ سے کلیسائی عقائد بن گئے۔ارسطو کے فطری فلسفے کو کلیسا کی اخلاقی اور روحانی تعلیمات کے ساتھ ملا کر ایکوائنس نے ایک زبردست امتزاج تخلیق کیا۔ زمین، جہاں چیزیں گرتی ہیں یہ ''گرے ہوئے'' انسان کا مسکن تھی؛ کامل جنتیں اوپر، جہاں چیزیں زمین کے گرد کامل دائروں میں حرکت کرتی ہیں، خدا اور اس کے فرشتوں کا مقام تھا؛ اور زمین کا مرکز، سب سے نچلا نقطہ جہاں چیزیں گر سکتی ہیں، جہنم تھا، صبح کے ستارے (Lucifer) سے اوپر گرے ہوئے فرشتے یعنی ابلیس کا مقام تھا۔ارسطو کی طبیعیات اور بطلیموس کی فلکیات نہ صرف عملی حقیقت بلکہ مذہبی عقیدہ بھی بن گئیں، جسے انکوائزیشن (Inquisition) نے سختی سے نافذ کیا۔

سولہویں صدی میں کوپرنیکس (Copernicus) نے بطلیموس کے ماڈل کے متبادل کے طور پر یہ تجویز کیا کہ زمین اور سیارے سورج کے گرد گردش کرتے ہیں۔اس ماڈل میں زمین سورج سے تیسرا

سیارہ بن گئی۔ یہ ماڈل زیادہ سادہ تھا، لیکن یہ عام خیال (آخر کار، کوئی زمین کی حرکت کو محسوس نہیں کرتا) اور کلیسا کے سرکاری عقائد دونوں کے ساتھ متصادم معلوم ہوتا تھا۔ حکام کی ناراضگی کے ڈر سے، کوپرنیکس نے محتاط ہوتے ہوئے اپنے ماڈل کو اصل حقیقت کی بجائے محض ایک ریاضیاتی سہولت کے طور پر بیان کیا۔

گلیلیو (Galileo) میں کوپرنیکس جیسی عاجزی اور حکمت نہ تھی۔ گلیلیو نے کوپرنیکس نظام کو حقیقت مانتے ہوئے ایک دنیا اور زندگی کے ایک نئے فلسفہ کی حمایت کی اور آخر کار حکام کی تفتیش کا مرکز بن گیا۔ 1600 میں، گیورڈانو برونو (Giordano Bruno) کو دیگر الزامات کے ساتھ ساتھ کوپرنیکس کے سورج کو مرکز قرار دینے والے نظریہ پر یقین رکھنے کی بدعت کی پاداش میں آگ میں جلا دیا گیا تھا۔ اس لیے یہ حیرت کی بات نہیں ہے کہ جب سولہ سال بعد گلیلیو کو حکام کی تفتیش کا سامنا ہوا تو اس نے احتیاط کے پیش نظر اپنے نظریات سے توبہ کرلی۔

گلیلیو نے ارسطو کے دعووں کی بھی مخالفت کی، مثال کے طور پر یہ کہ ہوا کی مزاحمت نہ ہونے کی صورت میں بھاری اور ہلکی اشیاء ایک ہی رفتار سے گریں گی۔ ان دعووں کو بھی خاص طور پر نچلی سطح کے پادریوں اور یونیورسٹیوں کے ارسطوئی نظریہ دانوں کی طرف سے سخت مخالفت کا سامنا رہا۔ ارسطو کا نظام زندگی اور دنیا کا ایک مکمل فلسفہ تھا، اور اس کے کسی بھی حصے کو رد کرنے کا مطلب یہ سمجھا جاتا تھا کہ پورے نظام کو رد کیا جا رہا ہے۔ گلیلیو دوسروں کو کیسے قائل کرسکتا تھا کہ وہ صحیح اور ارسطو غلط تھا؟

اس کا منفرد حل یہ تھا کہ ایسے خاص حالات پیدا کیے جائیں جن میں اس کے خیالات کو پرکھا جا سکے، یعنی اس نے تجربات ایجاد کیے۔ نظریاتی پیشین گوئیوں کو تجربات کے ذریعے جانچنا آج تو عام جانا جاتا ہے، لیکن اس کے وقت میں یہ ایک نیا اور گہرا خیال تھا۔ کہا جاتا ہے کہ گلیلیو نے یہ دکھانے کے لئے کہ بھاری اور ہلکی چیزیں ایک ہی رفتار سے گرتی ہیں ایک لوہے کی گیند اور ایک لکڑی کی گیند کو پیسا کے مینار سے ایک ہی وقت گرایا۔ گلیلیو نے دلیل دی کہ سائنسی دعوے کسی حاکم کی بات کی بجائے مشاہدے اور تجرباتی مظاہرے پر مبنی ہونے چاہئیں۔ چند دہائیوں میں گلیلیو کے نئے طریقہ کو وسیع پیمانے پر قبول کرلیا گیا، اور سائنسی انقلاب پورے زور و شور سے شروع ہوا۔

کلاسیکی طبعیات:

کلاسیکی طبیعیات فطرت کے نظریات کا ایک مجموعہ ہے جو سترہویں صدی میں آئزک نیوٹن (Isaac Newton) کے کام سے شروع ہوا، جسے اٹھارہویں اورانیسویں صدی میں کئی سائنسدانوں نے آگے بڑھایا، اور بالآخر آخری عظیم کلاسیکی ماہر طبعیات البرٹ آئن سٹائن (Albert Einstein) کے اضافیت کے نظریات (Relativity theories) پر منتج ہوا۔ گلیلیو اور جوہانس کیپلر (Johannes Kepler) کے پہلے سے موجود کاموں کی بنیاد پر، نیوٹن نے کشش ثقل کا ایک نظریہ اور حرکت کے تین سادہ قوانین وضع کیے جو سیاروں کی حرکات کے ساتھ ساتھ زمین پر موجود زمینی اشیاء، جیسے توپ کے گولے، گرتے ہوئے سیب، اور سمندری لہروں کی حرکات کی درست پیش گوئی کرتے تھے۔

نیوٹن نے فرض کیا کہ تمام مادی اشیا، بڑی نظر آنے والی اشیاء کے چھوٹے اجسام پر مشتمل ہیں، جنہیں اس نے ''ٹھوس، بھاری، سخت، نا قابل نفوذ، اور متحرک ذرات'' کہا۔ ان چھوٹے ذرات کے بارے میں فرض کیا گیا کہ وہ براہ راست رابطے کے ذریعے بالکل بلیئرڈ کی گیندوں کی طرح باہمی عمل کرتے ہیں۔ اس میں صرف ایک ہی پراسرار عمل کو استثنا حاصل تھا جسے کشش ثقل کہتے ہیں۔ نیوٹن کے کشش ثقل کے نظریے نے تجویز کیا کہ شمسی نظام کے ہر چھوٹے ذرہ نے ہر دوسرے ذرے کو ایک قوت کے ساتھ اپنی طرف کھینچا، جو ان کے درمیان فاصلے کے مربع کے اُلٹے تناسب میں تھی۔ یہ تصور نیوٹن کو شدید پریشان کرتا تھا، جس نے ایک لحاظ سے اس عمل کو ''ایک بیہودگی'' کہا؛ اس کے باوجود اس نے کشش ثقل کے اپنے نظریے کو ایک مساوات کے طور پر وضع کیا اور اس کے نفاذ کے طریقہ کار پر قیاس آرائی کرنے سے انکار کر دیا، اس نے لکھا جو مشہور ہے: میں مفروضے نہیں بناتا۔

یہ آئن سٹائن ہی تھا جس نے کشش ثقل کے لیے ایک ثالثی عامل کی تجویز پیش کی: خلا اور وقت میں ایک بگاڑ جو اشیاء کے وزن کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے، زیادہ بھاری اشیاء زیادہ بگاڑ پیدا کرتی ہیں۔ اس شراکت نے کلاسیکی طبیعیات کو ایک مقامی نظریہ بنا دیا: فاصلے پر عمل نہیں ہوتا۔ تمام اثرات مقامی طور پر ایک میدانی قوت کے ساتھ منتقل ہوتے ہیں، اور کشش ثقل سمیت کوئی بھی اثر روشنی کی رفتار سے زیادہ تیزی سے منتقل نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر، اگر سورج اچانک تباہ ہو جائے تو زمین تقریباً آٹھ منٹ بعد

اپنے مدار سے باہر ہو جائے گی۔

کلاسیکی طبیعیات میں ذرات کے درمیان تمام تعاملات مقامی ہوتے ہیں اور کسی کے مشاہدہ سے آزاد ہوتے ہیں ۔مزید برآں، یہ تعاملات قطعی تصور کیے گئے ہیں: یعنی، مادی دنیا کے مستقبل کی حالت مکمل طور پر پہلے وقت کی حالت سے طے شدہ ہے ۔کلاسیکی طبیعیات کے مطابق، مادی دنیا کی مکمل تاریخ کائنات کے آغاز کے وقت سے طے شدہ تھی ۔کائنات کو اب ایک عظیم مشین کے طور پر دیکھا گیا ۔نیوٹن کے مطابق خدا نے شاید یہ مشین بنائی اور اسے چلایا، سیارے خدا کے ہاتھ سے ابتدائی طور پر پھینکے گئے تھے لیکن ایک بار شروع ہونے کے بعد شمسی نظام اپنی ہی رفتار کے ذریعے چلتا رہا اور نا قابل شکست قوانین کے مطابق ایک خودکار مشین کے طور پر کام کرتا رہا۔

کلاسیکی طبیعیات نے شعور اور آزادانہ اختیار کے مسئلے سے نمٹنے کے دو طریقے پیش کیے: پہلا طریقہ، جسے نیوٹن اور رینی ڈیکارٹ (Rene Descartes) نے اپنایا، یہ تھا کہ انسانی شعور اور آزادانہ اختیار کو طبیعیات کے دائرے سے باہر فرض کیا جائے ۔ڈیکارٹ نے سکھایا کہ جانور بے شعور خودکار ہیں، لیکن انسانوں کے پاس روح ہے اور وہ اس طرح اسے ایک مشینی، اور پہلے سے طے شدہ کائنات میں مستثنیٰ ہے ۔آزاد مرضی سے نمٹنے کا دوسرا طریقہ وہ ہے جسے اٹھارہویں صدی کے فلسفیوں نے مقبول بنایا جو نیوٹن کے کام سے بہت متاثر تھے ۔وہ یہ تھا کہ کلاسیکی طبیعیات انسان سمیت پوری دنیا کی مکمل وضاحت ہے، لہذا آزادانہ اختیار محض ایک فریب ہے ۔

قدیم فلسفہ مادیت کو اب ایک سائنسی بنیاد پر قائم خیال کیا جانے لگا تھا ۔سائنس دانوں اور فلاسفہ کے پاس اس بات کے ٹھوس دلائل موجود تھے کہ حقیقت کے مادی پہلو سب بند اور مکمل طور پر مربوط ہیں: مادی پہلو دماغ پر اثر ڈال کر ذہنی پہلو کو متاثر کرسکتا ہے، جیسے شعلے کو چھونے کے بعد درد کا احساس، لیکن ذہنی پہلو مادی پہلو کو متاثر نہیں کر سکتا۔ مادیت پرستوں کے نزدیک شعلے سے ہاتھ کھینچنا ایک خودکار عمل کے پہلے سے طے شدہ ردعمل کے طور پر دیکھا جانے لگا ۔خیالات، جذبات اور ارادوں کو اب اضافی سمجھا جانے لگا: یہ دلیل دی جانے لگی کہ شعور کا کوئی مقصد نہیں ہے اور آزادانہ اختیار کا ہمارا فطری احساس محض ایک دھوکہ ہے ۔

یہ نظریات اٹھارویں صدی کے ایک دور میں جسے روشن خیالی (Enlightenment) کہا

جانا عام ہو گئے اور انہیں سائنسی انقلاب کے نظریاتی اثرات کے طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔اس دور کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ انسانی معاملات میں روایت اور مذہبی عقائد کو منطق کے حق میں دستبردار کر دیا گیا جو کہ جدید سیکولر انسان دوستی کا پیش خیمہ تھا۔نئی طبعیات کی شاندار کامیابی سے متاثر ہو کر ڈینس ڈیڈرو (Denis Diderot) اور وولٹیر (Voltaire) جیسی شخصیات نے ایک نئی دنیاوی سوچ کی حمایت کی جو مکمل طور پر مشینی اور نظام جبر (Determinism) پر مبنی تھی، جس میں نہ تو انسانی ذہن اور نہ ہی الٰہی مداخلت کے لیے کوئی جگہ تھی۔

اٹھارویں صدی میں، مذہبی جنگوں، جادوگری کے مقدمات، اور حکام کی تفتیش کی دہشتیں ابھی بھی لوگوں کے ذہنوں میں تازہ تھیں، ڈیڈرو اور وولٹیر جیسے لوگوں کے ذریعے پھیلایا جانے والا نیا سائنسی نظریہ ایک لحاظ سے کلیسائی سوچ پر صدیوں تک غالب رہنے والے تسلط کے خلاف ایک ردعمل تھا۔جیسا کہ ہم نے دیکھا، برونو (Bruno) کو اپنی رائے کی وجہ سے آگ میں جلا دیا گیا، اور گلیلیو کو اپنی رائے سے دستبردار ہونا پڑا۔لیکن گلیلیو کے اس اصرار کہ سائنس میں سچائی کا فیصلہ حکم کی بجائے صرف مشاہدہ اور تجربہ کے ذریعے ہونا چاہیے نے سب کی سوچ میں ایک انقلاب برپا کر دیا۔جب نیوٹن کا Principia (بنیادی اصول) 1687ء میں شائع ہوا تو اسے دبایا نہیں گیا بلکہ وسیع پیمانے پر پڑھا گیا۔نیوٹن کا نظام سیاروں کے مداروں کی حیرت انگیز درستگی سے پیش گوئی کرتا تھا اور یہاں تک کہ دمدار ستاروں کو بھی، جو پہلے تباہی کے اشارے سمجھے جاتے تھے، اس میں ایک کلائی کی گھڑی کی طرح پیش گوئی کی جا سکتی تھی۔کائنات کو اب ایک عظیم الشان گھڑی کے طور پر دیکھا جانے لگا۔اس طرح جدید سائنسی دنیاوی نظریہ پیدا ہوا جس نے گزشتہ تین سو سالوں میں فلسفہ پر بے حد اثر ڈالا۔

ایک فلسفی کے لئے جس کی سوچ کلاسیکی طبعیات سے جڑی ہو ذہنی پہلو کے مادی پہلو پر اثر انداز نہ ہونے کو سمجھنے کے دو ممکنہ طریقے ہیں: پہلا یہ کہ خیالات، جذبات، اور ارادوں کو اتفاقی پیداوار سمجھا جائے، جو کسی طرح دماغ کے ذریعے پیدا ہوتے ہیں لیکن دماغ پر کوئی اثر نہیں ڈالتے۔دوسرا یہ کہ دماغ اور ذہن کو ایک ہی چیز سمجھا جائے یعنی خیالات اور جذبات دماغ کے اندر چھوٹے ذرات کی حرکت کے مترادف ہیں۔

عنوان مسلمانی

(عنوان دوم: حق باری تعالیٰ کی معرفت کے بیان میں)

(امام غزالیؒ)

اے عزیز! تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ پہلے انبیاء کی کتابوں میں مذکور ہے کہ اُن سے اللہ تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا:

اعرف نَفسَکَ تَعرِف رَبَّکَ۔ اپنے نفس کو پہچان تا کہ تو اپنے رب کو پہچان لے۔

اور آثار صحابہ علیہم الرضوان اور اخبار و احادیث نبویﷺ میں یہ قول بہت مشہور ہے کہ

مَن عَرَفَ نَفسَہُ فَقَد عَرَفَ رَبَّہُ۔ جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔

اور ان باتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آدمی کا دل آئینہ کی مانند ہے جو اس میں غور کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ لے گا لیکن بہت سے افراد ایسے ہیں جو اپنے آپ میں غور کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کو نہیں پہچانتے تو جس لحاظ سے کہ دل اللہ تعالیٰ کی معرفت کا آئینہ ہے اس اعتبار سے دل کی حقیقت کا جاننا ازبس ضروری ہے اور اس جاننے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو بہت مشکل ہے جس کا سمجھنا اکثر عوام کے بس میں نہیں اور چونکہ عوام اسے سمجھ نہیں سکتے اس لیے اس کا بیان کرنا مناسب نہیں البتہ وہ صورت بیان کرنی مناسب ہے جسے سب سمجھ سکیں اور وہ صورت یہ ہے کہ آدمی اپنی ہستی سے اپنے رب کو پہچانے اور اپنی صفات سے اپنے مالک کی صفات کو جانے اور اپنی سلطنت یعنی اپنے بدن اور اعضاء میں آدمی کو جو تصرف و اختیار ہے اس سے اس تصرف کو سمجھے جو اللہ تعالیٰ کو تمام جہان میں حاصل ہے اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ آدمی اس بات کو سمجھے کہ میں پہلے کچھ نہ تھا اور اب کچھ ہوں یعنی پہلے نیست تھا اب ہست ہوں یہی بات اللہ تعالیٰ نے فرمائی:

هَلْ أَتَىٰ عَلَى الْإِنسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُن شَيْئًا مَّذْكُورًا إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنسَانَ

مِن نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعاً بَصِيراً. (سورۃ الدھر۷۶:آیت۲۔۱)

"بے شک آدمی پر ایک ایسا زمانہ گزر چکا ہے کہ وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔ہم نے بنایا آدمی کو ایک بوند پانی کے لچھے، پلٹتے رہے اس کو پھر کر دیا اس کو دیکھتا سنتا۔"

اور جس چیز سے آدمی اپنی اصل خلقت پہچانے کہ اپنی ہستی سے پہلے میں کیا تھا: وہ چیز نطفہ ہے جو ناپاک پانی کا ایک قطرہ ہے۔جس میں عقل، سماعت، بصارت، سر، ہاتھ، پاؤں، زبان، آنکھ، رگ، پٹھا، ہڈی، گوشت، چمڑا کچھ نہ تھا۔ بلکہ ایک ہی طرح کا سفید پانی تھا۔پھر اس میں یہ سب عجائبات یعنی عقل، سر، ہاتھ، پاؤں وغیرہ ظاہر ہوئے۔اس نے اپنے آپ کو پیدا نہیں کیا بلکہ اور کسی نے اسے پیدا کیا۔اس لیے کہ آپ باوجودیکہ درجہ کمال کو پہنچا ہے، اور یقینی جانتا ہے کہ ایک بال پیدا کرنے سے عاجز ہے تو یہ بھی جانے گا کہ جب پانی کا ایک قطرہ تھا تو اور بھی زیادہ ناقص اور عاجز تھا۔اپنے آپ کو کیا پیدا کرتا۔ پس اس طرح ضرور آدمی کو اپنے ہونے سے خلق کی ہستی معلوم ہوگی۔اور جب اپنے بدن کے عجائبات جو ظاہر اور باطن میں ہیں، دیکھے گا اور بعض عجائبات بدن کی تفصیل گزر چکی ہے تو اپنے خالق کی قدرت عیاں دیکھے گا اور جانے گا کہ میرا خالق بڑا قادر ہے۔جو چاہتا ہے کرتا ہے، اور جیسا کہ چاہتا ہے کرتا ہے اور سمجھے گا کہ اس سے بڑی قدرت اور کیا ہوگی کہ ایسے ذلیل ناچیز پانی کے قطرے سے کمال و جمال کے ساتھ کیا صورت بناتا ہے۔اور اس صورت میں کیا کیا عجائب وغرائب دکھاتا ہے۔اور آدمی جب اپنی عجیب وغریب صنعتوں اور اپنے اعضاء کی منفعتوں کو دیکھتا ہے تو ظاہری عضو مثلاً ہاتھ، پاؤں، آنکھ، زبان، دانت اور اعضائے باطنی جیسے تلی، پتا وغیرہ کو خدا نے کسی حکمت کے لئے پیدا کیا ہے تو اپنے خالق کے علم کو پہچانتا ہے کہ کیا مکمل علم ہے اور کیسا اشیائے عالم کو محیط ہے۔اور آدمی یہ بھی جان جائے گا کہ ایسے عالم سے کوئی چیز غائب نہیں ہو سکتی۔اگر سب عقل مندوں کی عقل کو کام میں لائیں اور ان کو عمر دراز دیں اور غور وفکر کریں کہ ان اعضاء میں سے ایک عضو کی بھی کوئی ایسی صورت نکالیں جو اس موجودہ صورت سے بہتر ہو تو نہیں نکال سکتے۔مثلاً دانتوں کی صورت جو بالفعل موجود ہے یعنی کھانے کی چیز کاٹنے کے لئے سامنے کے دانت تیز ہیں اور کھانے کی چیز کو مہین کرنے کے لئے اور دانت چوڑے ہیں۔دانتوں کے قریب زبان پسنہاری کے آبخورے کے مثل ہے کہ اناج چکی کے اندر ڈالتی ہے، اور قوت جو زبان کے

نیچے ہے خمیر بنانے والے اور پانی چھڑکنے والے کے مانند ہے کہ جس وقت جتنا چاہے اتنا پانی بہاتی ہے کہ کھانا تر ہو اور حلق سے اتر جائے اور گلے میں نہ پھنسے ۔ اس صورت کے خلاف اور کوئی شکل جو اس سے بہتر ہو تمام عالم کے عقلمند مل کر نہیں نکال سکتے ۔ اسی طرح ہاتھ میں پانچ انگلیاں ہیں ۔ چار انگلیاں ایک طرح کی اور ایک انگوٹھا ۔ ان انگلیوں کی نسبت بہت دور اور لمبائی میں چھوٹا ، ہر انگلی کے ساتھ کام کرتا اور سب انگلیوں پر پھرتا ہے ۔ تمام انگلیوں میں تین تین گرہیں مگر انگوٹھا میں دو گرہیں ایسی بنائی ہیں کہ آدمی اگر چاہے تو آبخورا بنا لے، چاہے چلو، چاہے مٹھی بند کر کے گھونسا بنا لے، اور گھونسے کو اپنا ہتھیار کر لے یعنی دشمن کو مارے چاہے مٹھی کھول کر پنجہ کو طباق بنائے ، اور کئی طرح سے کام میں لائے ۔ اگر تمام جہان کے عقلمند انگلیوں کی اور کوئی وضع تجویز کریں ، مثلاً یہ کہ سب انگلیاں ایک ہی انداز کی ہوں ، یا تین ایک طرف اور دو ایک طرف اور ایک جانب ہوں یا پانچ کی چھ یا چار ہوں یا تین گرہوں کے بدلے دو یا چار گرہیں ہوں ، ان میں سے جو جو باتیں سوچیں یا کہیں گے سب ناقص ہوں گی اور جس انداز پر خداوند کریم نے پیدا کیا ہے وہی انداز بہت اچھا ہے اس بیان سے معلوم ہو گا کہ خالق کا علم اس شخص کو محیط اور سب چیزوں سے خالق مطلع ہے اور آدمی کے ہر ہر عضو میں ایسی حکمتیں ہیں کہ جو شخص ان حکمتوں کو جتنا زیادہ جانے گا اتنا ہی علم خدا کی عظمت و وسعت سے اسے تعجب بھی زیادہ ہو گا ۔

اور آدمی جب اپنی حاجتوں کو دیکھنے لگے تو پہلے دیکھے گا کہ اسے اعضاء کی ضرورت ہے، پھر جانے گا کہ کھانے کپڑے وغیرہ کا بھی محتاج اور اس کے کھانے کی چیزوں کو بھی مینہ، ہوا، گرمی، سردی کی حاجت ہے ۔ اور جو ان کھانے کی چیزوں کو کھانے کے قابل کرتی ہیں ، ان صنعتوں کی بھی ضرورت ہے ۔ اور ان صنعتوں کے لئے بھی اوزار مثلاً لوہے، تانبے، پیتل، سیسے کی ضرورت ہے ۔ اور یہ بات بتانے اور معلوم ہونے کا کہ اوزار کیسے بنتے ہیں اوزار بھی محتاج ہیں ۔ آدمی ان چیزوں کی طرف اپنی حاجتیں دیکھ کر جانے گا کہ سب مخلوقات بہت اچھے انداز پر ایجاد ہوئی ہیں اور سب مصنوعات کی بہت اچھی وضع پر بنیاد رکھی گئی ہے اور ہر ہر چیز جس جس قسم کی خدا نے بنائی ہے اگر نہ بناتا تو ان کا بنا سکنا کیسا اس کا انداز بھی کسی کے خیال میں نہ آتا ، اور سمجھے گا کہ سب مخلوق اور مصنوع بے مانگی مراد اور فقط خدا کی مہربانی اور عنایت سے ان سب کی بنیاد ہے ۔ اور اس سمجھ کی

بدولت آدمی کو یہ صفت ہے جیسا کہ حدیث قدسی میں آیا ہے۔ یعنی رسول اکرم ﷺ کی زبانی حق تعالیٰ نے فرمایا ہے:

سَبَقَتْ رَحمَتِی عَلٰی غَضَبِی. سبقت لے گئی ہے میری رحمت میرے غضب پر۔

اور جیسا کہ رسول مقبول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دودھ پیتے بچوں پر مادہ مشفقہ کی جتنی شفقت ہے اس سے زیادہ بندوں پر ارحم الراحمین کی رحمت ہے۔ غرضیکہ جب آدمی نے اپنے پیدا ہونے سے خدا کی ہستی کو جانا اور اپنے اعضاء کی کثرت سے حق تعالیٰ کے کمال قدرت کو پہچانا اور عجیب حکمتوں اور اپنے اعضاء کی منفعتوں سے خدا کے کمال کو دیکھا اور جن چیزوں کی حاجت یا ضرورت ہے یا جن سے فقط زیب وزینت ہے انہیں اپنے ساتھ مجتمع اور موجود دیکھنے سے لطف اور رحمت ذوالجلال کو دیکھا تو نفس کی پہچان جو ایسی ہے، وہ معرفت حق کی کنجی ہے۔

فصل: آدمی نے جس طرح خدا تعالیٰ کی صفات کو اپنی صفات سے پہچانا اور اس کی ذات کو اپنی ذات سے جانا اسی طرح حق تعالیٰ کی تنزیہہ وتقدیس بھی اپنی تنزیہہ وتقدیس سے جانتا ہے، اور حق تعالیٰ کی تنزیہہ اور تقدیس کے یہ معنی ہیں کہ جو کچھ وہم وخیال میں آئے وہ اس سے پاک و مقدس ہے اور اگر چہ کوئی جگہ خدا تعالیٰ کے تصرف سے خالی نہیں مگر کسی جگہ کے ساتھ منسوب ہو سکتا ہے وہ بری اور منزہ ہے اور انسان اس تنزیہہ اور تقدیس کا نمونہ اپنے میں دیکھتا ہے اس لیے کہ جان کی حقیقت جسے ہم دل کہتے ہیں وہ بھی ان چیزوں سے منزہ اور پاک ہے جو وہم وخیال میں آئیں۔ کیونکہ اس کے لئے نہ مقدار و کمیت ہے نہ وہ قابل تقسیم ہے اور جب وہ کمیت، کیفیت، قسمت دل سے دور رہے تو دل کا بے رنگ ہونا بھی لازمی ہے۔ اور جس چیز کا نہ کچھ رنگ ہو، نہ مقدار وہ بھی خیال میں نہیں آسکتی کیونکہ خیال میں وہی چیز آتی ہے جسے یا جس کی جنس کو آنکھ دیکھ پاتی ہے۔ رنگ اور شکلوں کے سوا خیال اور نظر میں کچھ نہیں آتا، اور طبیعت جو یہ چاہتی ہے کہ معلوم ہو فلاں چیز کیسی ہے، اس کے یہی معنی ہیں کہ اس چیز کی شکل کیسی ہے، چھوٹی ہے یا بڑی، اور جو چیز ان صفتوں یعنی صورت، رنگت، چھوٹائی، بڑائی سے مبرا ہے اسے پوچھنا کہ کیسی چیز ہے، بے جا ہے۔

اے عزیز! جس چیز میں چگونی کو دخل نہیں اگر تو اسے دریافت کرنا چاہے تو اپنی حقیقت

میں غور کر کے دیکھ کہ تیری حقیقت جو معرفت خدا کی جگہ ہے، نا قابل قسمت ہے اور اس کی نہ کچھ مقدار ہے، نہ کمیت و کیفیت ۔اگر کوئی پوچھے کہ روح کیا چیز ہے؟اس کا جواب یہی ہوگا کہ چگونی کو اس میں دخل نہیں ۔ جب تو نے اپنے آپ کو جانا کہ چگونی سے پاک اور مبرا ہے تو یہ بھی جان کہ حق تعالی چگونی سے منزہ اور مقدس ہے، اور پاک ہونے میں بہت اولی ہے ۔لوگ تعجب کرتے ہیں کہ بے چون اور بے چگوں کوئی چیز کیونکر موجود ہوگی اور اپنی حقیقت کو نہیں پہچانتے کہ خود بے چوں اور بے چگون موجود ہیں بلکہ آدمی اگر اپنے میں ڈھونڈے تو ہزار چیزیں بے چون اور بے چگوں دیکھے یعنی اپنے میں درد، غصہ، عشق، مزہ وغیرہ دیکھ لیا اور اگر چاہے کہ ان چیزوں کی چونی اور چگونی دریافت کرے تو نہیں دریافت کرسکتا ۔اس لیے کہ ان چیزوں کی نہ رنگت ہے نہ صورت تو اس سوال کو کہ کیونکر اور کیسا ہے غصہ، درد وغیرہ میں کچھ دخل نہیں ۔تو معلوم ہوا کہ بے چون و بے شگون چیزیں بھی موجود ہیں بلکہ اگر کوئی آواز یا مزہ یا بو کی حقیقت دریافت کرنا چاہے کہ یہ چیزیں کیسی ہیں تو نہیں ہوسکتا ۔آدمی ان کے دریافت کرنے میں عاجز ہے اور عاجزی کا سبب یہ ہے کہ چون اور چگون مقتضائے خیال ہے کہ جس بصر سے حاصل ہوتا ہے تو خیال ہر چیز میں آنکھ کا حصہ تلاش کرتا ہے اور جو چیز کان کی مملکت ہے جیسے آواز، اس میں آنکھ کا کچھ حصہ نہیں بلکہ آواز کی چونی اور چگونی دریافت کرنا محال ہے اس لیے کہ جس طرح رنگت اور صورت سمع کی حس سے بے تعلق و مبرا ہے اسی طرح آواز حس بصر سے پاک و منزہ ہے ۔اسی طرح جو چیز حاسہ دل میں آتی اور عقل سے پہچانی جاتی ہے اور وہ سب حواس سے پاک ہے اس میں کسی حواس کا حصہ نہیں، اور چونی و چگونی محسوسات میں ہوتی ہے ۔یہ تحقیق اور غور کرنے کی بات ہے اور اس کی تفصیل کتب معقولات میں بیان ہو چکی ہے ۔اس کتاب میں جس قدر بیان ہوا یہی کافی ہے اور اس بیان سے غرض یہ ہے کہ اپنی بے چونی اور بے چگونی سے حق تعالی کی بے چونی و بے چگونی کو آدمی پہچان سکتا ہے ۔

اے عزیز! اس بات کو جان کہ جان اور روح موجود ہے اور بدن کی بادشاہی اور بدن میں جن جن چیزوں کے لئے چونی اور چگونی حاصل ہے وہ اس بادشاہ یعنی جان کی مملکت ہے اور جان خود بے چون و چگون ہے ۔اسی طرح بادشاہ عالم یعنی حق تعالی بے چون و چگون ہے ۔اور محسوسات جو چونی اور چگونی رکھتے ہیں، حق تعالی کی مملکت ہے ۔حق تعالی کی تنزیہ کا دوسرے طور پر

بیان یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو کسی جگہ کے ساتھ منسوب نہیں کر سکتے کہ خدا اس جگہ ہے اور جان کو کسی عضو کے ساتھ منسوب نہیں کر سکتے کہ جان ہاتھ میں ہے، پاؤں میں ہے، یا سر میں ہے، یا اور کسی عضو میں ہے۔ بلکہ بدن کے سب اعضاء قسمت پذیر ہیں یعنی ٹکڑے ہو سکتے ہیں اور جان قسمت پذیر نہیں یعنی ٹکڑے نہیں ہو سکتی اور جو چیز قسمت پذیر نہ ہو، تقسیم ہونے والی چیز میں اس کا سمانا محال ہے۔ اسی لیے اگر وہ اس میں سما جائے تو قسمت پذیر ہو جائے گی اور باوصف اس کے کہ جان کسی عضو کے ساتھ منسوب نہیں ہو سکتی مگر کوئی عضو جان کے تصرف سے خالی نہیں ہے بلکہ سب اعضاء جان کے تصرف وحکم کے تحت ہیں اور جان سب اعضاء کا بادشاہ ہے۔ اسی طرح تمام عالم بادشاہ عالم یعنی حق تعالیٰ کے تصرف میں ہے۔ اور حق تعالیٰ اس امر سے منزہ اور پاک ہے کہ کسی خاص جگہ کے ساتھ اسے منسوب کریں۔ درحقیقت تقدس اور تنزیہ کا تمام حال تب عیاں ہوتا ہے جب کہ روح کی خاصیت و رازصاف صاف بیان ہو۔ اور اسے بیان کرنے کی اجازت نہیں اور اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُورَتِہٖ (بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم کو اس کی صورت پر پیدا فرمایا) کا پورا حال اسی سے ظاہر ہوگا۔ اللہ اعلم بالصواب.

اے عزیز! تو نے خدا تعالیٰ کی ذات کو تو جان لیا اور اس کی صفات اور چونی و چگونی سے اس کے پاک ہونے کو بھی پہچان لیا۔ اور کسی جگہ کے ساتھ منسوب ہونے سے خدا تعالیٰ پاک ہے یہ بھی تجھ کو معلوم اور یقین ہے اور آدمی کا نفس معرفت کی کنجی ہے اور یہ امر بھی مقرر بیان ہو چکا ہے۔

اب ابواب معرفت میں سے ایک یہ بات باقی ہے کہ اپنی مملکت میں حق تعالیٰ کا بادشاہی کرنا اور حکمرانی فرمانا کس طرح پر ہے، اور فرشتوں کو حکم فرمانا، فرشتوں کا حکم بجالانا، اور ملائکہ کے ہاتھ سے کام لینا، آسمان سے زمین پر بھیج دینا، آسمانوں اور تاروں کو حرکت میں لانا، زمین کے باشندوں کے کام وابستہ آسمان بنانا، رزق کی کنجی آسمان کے سپرد کرنا، یہ سب امور کس طرح ہیں۔ معرفت حق تعالیٰ میں یہ بڑا باب ہے۔ جس طرح پہلی معرفتوں کو معرفت ذات وصفات کہتے ہیں، اس معرفت کو معرفت افعال کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ نفس کی معرفت اس معرفت کی بھی کنجی ہے۔ اور جب تو یہ جانے گا کہ اپنی مملکت بدن میں کس طرح بادشاہی کرتا اور کس طرح احکام جاری کرتا ہے تو یہ بھی جانے گا کہ بادشاہ عالم کس طرح حکمرانی فرماتا ہے۔ تو چاہیے کہ پہلے تو اپنے آپ کو

پہچان اور اپنے ایک ایک کام کو جان مثلاً جن کاغذ پر تو بسم اللہ لکھنا چاہتا ہے تو تجھ میں پہلے لکھنے کی خواہش و ارادہ پیدا ہوتا ہے، پھر دل میں حرکت و جنبش پیدا ہوتی ہے۔ یہ ظاہر بات ہے کہ وہ دل جو گوشت ہے اور بائیں طرف لٹکتا ہے اس میں حرکت پیدا نہیں ہوتی، بلکہ دل سے ایک جسم لطیف جنبش کر کے دماغ میں ہوجاتا ہے اور جسم لطیف کو طبیب لوگ روح کہتے ہیں جو حس و حرکت کی قوتوں کو اٹھائے ہوئے ہے اور یہ روح اور ہے اس سے جو چارپایوں میں ہوتی ہے اور موت کو اس میں دخل ہے اور وہ روح اور ہے جسے ہم دل کہتے ہیں وہ چارپایوں میں نہیں ہوتی اور وہ روح ہرگز نہیں مرتی کیونکہ وہ حق تعالیٰ کی معرفت کی جگہ ہے۔ یہی روح جنبش کرتی ہے اور جب دماغ میں پہنچتی ہے تو دماغ کے پہلے خزانہ میں جو قوت خیال کی جگہ ہے بسم اللہ کی صورت میں پیدا ہوتی ہے اور دماغ سے پٹھوں پر کچھ اثر پہنچتا ہے۔ پٹھے دماغ سے نکل کر بدن میں سب طرف پہنچتے ہیں اور انگلیوں میں دھاگے کی طرح بندھے ہوئے ہیں۔ جو شخص دبلا ہو اس کے بازو میں ان پٹھوں کو لوگ دیکھ سکتے ہیں۔ غرض کہ اس اثر سے یہ پٹھے جنبش کرتے اور سر انگشت کو جنبش دیتے ہیں اور انگلی کا سر قلم کو جنبش دیتا ہے تو بسم اللہ کی صورت اس صورت کے موافق جو خیال کے خزانہ میں ہے جو اس کی معاونت خصوصاً آنکھ کی اعانت سے پیدا ہوتی ہے اس لیے کہ اس میں اس کی بہت ضرورت ہے۔ تو جس طرح اس کام یعنی لکھنے کی ابتداء رغبت ہے جو پہلے تجھ میں ظاہر ہوتی ہے اسی طرح خدا تعالیٰ کے سب کاموں کا آغاز اس کی صفات میں سے ایک صفت سے ہوتا ہے اور ارادہ اسی صفت سے عبارت ہوتا ہے، اور جس طرح لکھنے کے ارادہ کا اثر پہلے عرش پر پیدا ہوتا ہے پھر اوروں تک پہنچتا ہے، اور جیسے بخارات کی طرح جسم لطیف دل کی رگوں کی راہ سے اس اثر کو تیرے دماغ میں پہنچاتا ہے، اور اس جسم لطیف کو روح کہتے ہیں ویسے ہی خدا تعالیٰ کے لئے بھی ایک جوہر ہے کہ اس کے ارادہ کو عرش سے کرسی تک پہنچاتا ہے، اور اس جوہر کو فرشتہ اور روح القدس کہتے ہیں، اور جس طرح دل سے دماغ کو اثر پہنچتا ہے اور دماغ دل کی حکومت اور تصرف میں دل کے نیچے ہے اسی طرح حق تعالیٰ کے ارادہ کا اثر عرش سے کرسی کو پہلے پہنچتا ہے، اور کرسی عرش سے نیچے ہے۔ اور جس طرح بسم اللہ جو تیرا مقصود ہے اور تیرا فعل ہوگا، اس کی صورت دماغ کے خزانہ اول میں ظاہر ہوتی ہے اور اس کے موافق فعل ظاہر ہوتا ہے، اسی طرح جس طرح کی صورت عالم میں ظاہر ہوگی اس کا نقش پہلے لوحِ محفوظ میں ظاہر ہوتا ہے اور تیرے دماغ میں جس طرح قوت لطیف ہے کہ پٹھوں کو جنبش دیتی ہے تاکہ پٹھے ہاتھ اور انگلی کو جنبش

دیں اور انگلی قلم کو حرکت دے اسی طرح جواہر لطیف یعنی فرشتوں، عرش اور کرسی پر مقرر ہیں۔ آسمانوں اور تاروں کو جنبش دیتے ہیں، اور جس طرح دماغ کی قوت رگوں اور پٹھوں کی اعانت سے انگلیوں کو جنبش دیتی ہے اسی طرح وہ جواہر لطیف جن کو ملائکہ کہتے ہیں تاروں اور تاروں کے تار شعاعی کے واسطہ سے عالم سفلی میں امہات عالم سفلی کی طبیعتوں کو جنبش دیتے ہیں۔ ان کو چار طبع یعنی گرمی، سردی، تری، خشکی بھی کہتے ہیں۔ اور جس طرح قلم سیاہی کو جنبش دیتا ہے اور پراگندہ اور جمع کرتا ہے تا کہ بسم اللہ کی صورت پیدا ہو اسی طرح یہ گرمی، سردی بھی پانی اور مٹی اور ان مرکبات کے اصولوں کو جنبش دیتی ہے۔ اور جس طرح کاغذ پہ سیاہی کو قلم جب بکھیرتا اور جمع کرتا ہے تو کاغذ اسے قبول کر لیتا ہے، اسی طرح تری ان مرکبات کو شکل کے قابل بناتی اور خشکی انہیں شکل کا نگہبان کر دیتی ہے تا کہ مرکبات اس شکل کی حفاظت کریں اور اس شکل کو چھوڑ نہ دیں۔ اس لئے کہ اگر تری ہی ہو تو مرکبات خود شکل قبول نہ کریں اور اگر خشکی نہ ہو تو شکل کی حفاظت نہ کر سکیں اور جس طرح قلم جب اپنا کام کرتا اور اپنی حرکت کو اختتام کرتا ہے تو بسم اللہ کی صورت آنکھ کی مدد سے اس نقش کے موافق جو خزانہ خیال میں تھا پیدا ہوتی ہے۔ اس طرح جب سردی گرمی ان مرکبات کے اصلوں کو حرکت دیتی ہے تو فرشتوں کی مدد سے حیوان نباتات کی صورت اس عالم میں اس صورت کے موافق جو لوحِ محفوظ میں تھی پیدا ہوتی ہے اور جس طرح تیرے سب کاموں کا اثر تیرے دل سے پیدا ہو کر سب اعضاء میں پھیلتا ہے، اسی طرح عالم اجسام کا آغاز کار عرش میں ہوتا ہے، اور جس طرح اس خاصیت کو پہلے دل قبول کرتا ہے اور اعضاء اس کے بعد اور لوگ دل کو تیرے ساتھ نسبت دیتے ہیں اور جانتے ہیں کہ تو دل میں رہنے والا ہے۔ اسی طرح جب سب چیزوں پر تصرف عرش کے واسطے سے ہے، لوگ جانتے ہیں کہ خدا تعالیٰ ساکن عرش اعلیٰ ہے، اور جس طرح جب دل پر تو غالب ہوا اور دل کا کام درست ہو گیا تو مملکت کی تدبیر تو کر سکتا ہے، اسی طرح جب حق سبحانہ تعالیٰ عرش پیدا کرنے سے عرش پر غالب ہوا، اور عرش سیدھا کھڑا اور مغلوب ہو گیا تو تمام مملکت عالم کی تدبیر بن گئی۔ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ. (سورۃ یونس ۱۰: آیت ۳) (پھر عرش پر استویٰ فرمایا (جیسا اس کی شان کے لائق ہے) وہ ہر کام کی تدبیر کرتا ہے۔) اسی سے عبارت ہے۔ اے عزیز! جان کہ یہ سب حق ہے اور جو لوگ صاحب بصیرت ہیں، ان کو مکاشفہ سے صاف معلوم ہو چکا ہے، اور فی الحقیقت وہ جانتے ہیں کہ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ. (البتہ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے آدم کو اپنی صورت پر)

اوراس بات کوحق جان کہ بادشاہوں کو بادشاہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔اگر تجھے تیری مملکت پر بادشاہ نہ بنایا ہوتا اورخداوند تعالیٰ نے اپنی مملکت کا مختصر نسخہ تجھے نہ دیا ہوتا تو خداوند عالم کو ہرگز نہ پہچان سکتا۔تواس بادشاہ کاشکر کر جس نے تجھے پیدا کیااور بادشاہی کا رتبہ دیا اوراپنی مملکت کے نمونہ پر تجھے مملکت دی۔دل سے تیراعرش روح حیوانی جس کا منبہ دل ہےاس سے تیرااسرار خیال بنایااور دماغ سے تیری کرسی خزانہ خیال سے تیری لوح محفوظ بنائی۔آنکھ،کان،اور سب حواس سے تیرے فرشتے،دماغ کا گنبد جو پٹھوں کا منبع ہےاس سے تیرے آسمان اورتارے بنائے،اورانگلی قلم سیاہی سے طبائع تیرے مسخر فرمائے۔تیرے دل کو بے چون وچگون پیدا کر کے سب اعضاء پر بادشاہ کر دیا تو تجھ سے فرمایا کہ اپنی بادشاہی سے ہرگز غافل نہ رہنا ورنہ اپنے خالق سے غافل رہے گا۔

فَاِنَّ اللّٰهُ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهٖ فَاعرِف نَفسَکَ یَا اِنسَان تَعرِف رَبَّکَ.

پس بے شک اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا آدم کو اپنی صورت پر،پس اگر پہچان لے تو اپنے نفس کو اے انسان پہچان لے گا تو اپنے رب کو۔

فصل: یہ سب کچھ جو بیان ہوا ہے کہ آدمی کی بادشاہی حضرت مالک کائنات کی سلطنت کا نمونہ ہے،اس سے دو بڑے بڑے علوم کی طرف اشارہ ہے۔ایک آدمی کے نفس کا علم اور قوتوں اور صنعتوں کے ساتھ اس کے اعضاء کا تعلق اور دل کے ساتھ صفات اور قوتوں کے تعلق کا حال معلوم ہوا۔یہ ایسا طویل علم ہے کہ اس کتاب مختصر میں اس کی تحقیق بیان نہیں ہوسکتی۔اور دوسری یہ تفصیل معلوم ہوئی کہ بادشاہ عالم کی مملکت کو فرشتوں سے اور آپس میں اور آسمان،عرش،اور کرسی کو ملائکہ سے تعلق وربط ہے،یہ بھی بڑا علم ہے اوراس اشارہ سے یہ مطلب ہے کہ جو شخص زیرک وہوشیار ہوگاان سب باتوں کا اعتقاد کرے گا،اوران سب باتوں سے خدا تعالیٰ کی عظمت جانے گا۔اور جو سفید واحمق ہوگا وہ یہ بھی نہیں جانے گا کہ خود کیونکر غافل ونادان اور کیوں مبتلائے نقصان رہا کہ ایسے بادشاہ ذوالجلال صاحب حسن وجمال کے دیدار سے محروم ومحجوب ہے اور مخلوقات کو حضرت الٰہیت کے جمال سے کیا خبر ہوگی۔مگراس قدر جو بیان کیا گیا فقط یہ بھی اسی لئے ہے کہ لوگ کچھ پہچان سکیں کہ خدا کیا ہے۔

حجۃ اللہ البالغہ

(مبحث اول: تکلیف شرعی اور جزاء وسزا کے بیان میں)

(عربی: شاہ ولی اللہ، ترجمہ: مولانا خلیل احمد بن مولانا سراج احمد)

باب ۷: تکلیف کا تقدیر سے نکلنا:

جاننا چاہئے کہ خدا تعالٰی کی اپنی مخلوق میں ایسی نشانیاں ہیں کہ ان میں غور کرنے والا معلوم کر سکتا ہے کہ خدا نے اپنے بندوں کو شریعتوں کا مکلّف کیا ہے تو اس کی خدا کے پاس زبردست دلیل ہے۔ درختوں اور ان کے پتوں اور شگوفوں اور پھلوں کو دیکھو اور جو کیفیتیں ان میں نظر آتی ہیں یا چکھ کر محسوس ہوتی ہیں وعلیٰ ھذا ان میں غور کرو کہ خدا نے ہر ایک قسم کے لئے پتے ایک خاص شکل کے اور شگوفے خاص رنگ کے اور خاص خاص مزہ کے پھل پیدا کئے ہیں جن سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ فلانے قسم کا ایک فرد ہے اور یہ سب امور صورت نوعیہ کے تابع ہوا کرتے ہیں اُسی کے ساتھ لپٹے رہتے ہیں جیسا صورت نوعیہ کا ظہور رہتا ہے ویسا ہی ان کا ظہور رہتا ہے۔

خدا تعالٰی کا یہ فرمان کہ یہ مادہ خرما کا ہونا چاہئے اس تفصیلی فرمان کے ساتھ لپٹا ہوا ہے کہ اس کا پھل ایسا ہو اور اس کا شگوفہ ایسا ہو۔ اور ہر ایک قسم کی خاصیتوں میں سے بعض تو ظاہر ہوتی ہیں، ہر ایک عقل منداس کو سمجھ سکتا ہے اور بعض ایسی ہوتی ہیں جن کو وہی شخص معلوم کر سکتا ہے جو زیرک اور فطین ہو۔ جیسے کہ یاقوت کی تاثیر ہے کہ وہ یاقوت رکھنے والے کے دل میں مادہ فرحت اور شجاعت پیدا کرتا ہے۔ اور نیز بعض خاصیتیں ایسی ہوتی ہیں جو کسی قسم کے ہر ہر فرد میں ہوتی ہیں اور بعض ایسی ہوتی ہیں کہ استعداد مادہ کے موافق صرف بعض افراد میں پائی جاتی ہیں اور اُسی قسم کے اور افراد میں نہیں ہوتیں مثلاً ہلیلہ کہ جو شخص اس کو اپنے ہاتھ میں تھامے رہے اُس کے لئے دست آور ہے۔ اب تم کو یہ کہنے کا موقع نہیں ہے کہ خرما کا پھل اس صفت کا کیوں ہوتا ہے اس لئے کہ یہ سوال بے معنی

ہے ۔لوازم ذاتی کے ثابت ہونے کے لئے دلیل کی حاجت نہیں ہوا کرتی ۔

اس کے بعد حیوانات کی ہر ایک قسم کو دیکھو۔ ہر ایک کی شکل وصورت جدا جدا ہے ۔جیسے کہ تم درختوں کی صورتیں جدا جدا پاتے ہو اور حیوانات میں ان اختلافات کے ساتھ مختارانہ حرکتیں اور ذاتی الہامات اور طبعی تدابیر بھی ہیں جن کی وجہ سے ہر ایک قسم دوسرے سے بالکل ممتاز ہے ۔مثلاً چارپائے گھاس کو چرتے ہیں، اور جگال کرتے ہیں، اور گھوڑے گدھے خچر گھاس تو چرتے ہیں مگر جگال نہیں کرتے ۔درندے گوشت خور ہیں، پرندہوا میں اڑتے پھرتے ہیں، مچھلیاں پانی میں تیرتی ہیں اور حیوانات میں ہر قسم کی آواز جدا جدا ہے ہر ایک کے لئے مجامعت کا طریقہ علیحدہ ہے ۔اپنے بچوں کو پالنے کا طریقہ جو ایک کا ہے وہ دوسرے کا نہیں ہے جس کا بیان طول طویل ہے ۔

ہر ایک قسم کے لئے اسی قسم کا الہام کیا گیا ہے جو اس کی طبعیت اور مزاج کے مناسب تھا اور جن سے اس نوع کی تکمیل اور درستی ممکن تھی اور یہ الہامات سب کے سب ان کے پروردگار کی جانب سے ان کی صورت نوعیہ کے روزن سے مترشح ہوتے ہیں اور ان کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کہ شگوفوں کے خطوط اور پھلوں کے مزے جو صورت نوعیہ کے اثر سے متعلق ہوتے ہیں ۔

اور نوعی احکام بعض ہر ہر فرد بشر میں موجود ہوتے ہیں اور بعض مادہ کی قابلیت اور اسباب کے اتفاق سے صرف بعض افراد ہی میں ہوتے ہیں اگرچہ اصل استعداد سب میں ہوا کرتی ہے مثلاً شہد کی مکھیوں میں یعسوب اور جیسے طوطا کہ تعلیم اور مشاقی کے بعد لوگوں کی آوازوں کو بخوبی نقل کر لیتا ہے ۔

ان امور کے بعد انسان کی نوع میں غور کرو جو امور کہ درختوں میں پاؤ گے، انسان میں بھی پاؤ گے اور اُن کے علاوہ حیوانی اقسام میں جو اوصاف ہیں وہ بھی اس میں ہیں مثلاً کھانسنا، خمیازہ، ڈکار، فضلات کا دفع کرنا، آغاز حیات میں دودھ پستان سے چوسنا، اور ان کے علاوہ اور بہت سی ایسی خاصیتیں بھی ہیں جن کی وجہ سے وہ تمام حیوانات سے ممتاز ہے مثلاً گفتگو کرنا، دوسرے کی گفتگو سمجھنا، بدیہی مقدمات کی ترتیب سے یا تجربہ، استقراء، فراست سے مکتسب معلوم کو پیدا کرنا، ان امور کا اہتمام کرنا جن کو اگر وہ اپنی حس اور وہم سے نہیں معلوم کرتا لیکن بنظر عقل ان کو پسندیدہ سمجھتا ہے جیسے نفس کو مہذب کرنا، ولایتوں کو اپنے زیر حکم کرنا اور یہ امور چونکہ اس میں نوعی

پیدائشی ہیں اس لئے سب فرقے حالانکہ پہاڑوں کی بلندیوں کے باشندے بھی ان میں مشترک ہیں۔اس کا راز وہی ہے جو اس کی صورت نوعیہ کا منشا ہے اور یہ راز بھی ہے کہ مزاج انسانی کا مقتضا یہی ہے کہ اس کی عقل دل پر غالب ہو اور دل نفس پر غالب ہو۔

اس کے بعد خدا تعالیٰ کی اس تدبیر اور تربیت اور مہر کو دیکھنا چاہئے کہ جس کی مراعات ہر ایک قسم میں رکھی گئی ہیں۔نباتات جن میں حس وحرکت کی قوت نہ تھی اس لئے اُس کے لئے رگوں کو پیدا کیا وہ اُس مادہ کو چوستی رہتی ہیں کہ جو پانی اور ہوا اور لطیف اجزائے ارضی سے جمع ہوتا ہے۔اور جمع کر کر کے اُس کو تمام شاخوں میں اُسی تقسیم سے پھیلا دیتی ہیں جس کا فیضان صورت نوعیہ کی جانب سے ہوتا ہے اور حیوان میں حس ہوتی ہے،اپنے مقصد سے وہ چلتا پھرتا ہے۔اس لئے خدا تعالیٰ نے ان کے اندر ایسی رگیں زمین سے مادہ کے چوسنے والی پیدا کی ہیں بلکہ اُس کو الہام کیا کہ اپنے اپنے مواقعہ سے غلوں کو گھاس پانی کی تلاش کرے اور جتنی منفعتیں اس کو مطلوب تھیں اُن سب کا اس کو الہام کیا۔

اور جو قسمیں زمین سے پیدا نہیں ہوتیں خدا تعالیٰ نے ان کے لئے تدابیر رکھی ہیں کہ اُن میں تناسل کی قوتیں جمع کی ہیں اور ان کے مادہ میں ایک خاص رطوبت پیدا کی ہے کہ جو بچہ کی تربیت میں خرچ کی جاتی ہے، وہ خالص دودھ بن جاتی ہے۔اور بچہ کو الہام کیا کہ وہ پستان کو چوس کر دودھ کو نگل جاوے۔اور مرغی میں ایک ایسی رطوبت پیدا کی ہے جس سے انڈے پیدا ہوتے ہیں اور بعد انڈے دینے کے اُس کے مزاج میں خشکی پیدا ہو جاتی ہے اور اُس کا پیٹ خالی ہو جاتا ہے،جس سے اُس میں ایک قسم کی دیوانگی سی پیدا ہوتی ہے،جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے ہنوع سے میل جول ترک کر دیتی ہے اور کسی چیز کی حفاظت کرنے کو خود بخود پسند کرتی ہے تا کہ اس سے اپنے شکم کو دبائے رکھے۔اور کبوتروں کی طبعیت میں اس نے یہ پیدا کیا کہ نر اور مادہ باہم مانوس رہیں اور مادہ کے شکم کو اول ہی خالی کیا تا کہ انڈوں کی حفاظت بخوبی اس سے ہو سکے پھر اس میں زائد رطوبت اس لئے پیدا کی کہ وہ باہر آسکے اور اس کی طبعیت میں بچہ پر شفقت اور رحم کرنے کا مادہ پیدا کیا۔اس لئے اس رطوبت زائد میں مہربانی کے جوش سے قے کی صورتیں نکلنے کا ذریعہ کیا اور اس ذریعہ سے دانہ اور پانی بچہ کو پہنچتا ہے اور باہم ملاپ کے سبب سے نر بھی مادہ کی تقلید کرتا ہے اور بچہ کا مرطوب مزاج

پیدا کیا،اس رطوبت سے اس کے پر بن جاتے ہیں جن سے وہ اڑنے لگتا ہے۔

اور انسان میں چونکہ حس کرنے اور حرکت کرنے کی قوت پیدا کی ہے اور پیدائشی الہامات کا اس کو قابل بنایا ہے اور بالطبع اُس میں علوم کا مادہ رکھا ہے اس کو عقل عطا کی ہے اور اختیاری علوم کے پیدا کرنے کی قابلیت دی ہے اس لئے اس کو کھیتی کرنے ، درخت لگانے ، تجارت کرنے، اور دیگر معاملات کا الہام کیا ہے۔

ان میں سے بعض لوگوں کو پیدائشی سردار بنایا ہے اور بعض کی طبعیت میں یا اتفاقی اسباب سے غلامی کی خصلت پیدا کی ہے بعض کو ان میں سے بادشاہ بنایا ہے بعض کو رعیت ۔بعض میں مادہ حکمت کا رکھا ہے کہ حکمت الہیہ کے مطابق گفتگو کریں، بعض کو علوم طبعی میں خوض کرنے کی قوت دی ہے ۔بعض کو علوم ریاضی اور حکمت عملی کے مسائل حل کرنے کی ، اور ایسے ہی بعض کو غبی پیدا کیا ہے کہ وہ بغیر تقلید دوسرے کے علوم بالا کو نہیں سمجھ سکتا ہے۔ اور اسی لئے تم بادیہ نشینوں اور شہریوں کے گروہوں کو دیکھو گے کہ اُن پر یہ امور وارد ہوتے رہتے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ انسان کا حال حیوانات کا سا نہیں ہے بلکہ انسان کا ادراک حیوانات کے ادراک سے نہایت گراں بہار ہے ۔من جملہ ان علوم کے جس پر کہ بجز ان لوگوں کے جن کا مادہ نوع کے احکام کو قبول نہیں کرتا سب کا اتفاق ہے ۔اپنے پیدا کرنے والے اور تربیت کرنے والے کو تلاش کرنا اور مدبر عالم کو ثابت کرتا ہے جس نے اس کو پیدا کیا ہے اُس کو رزق دیا ہے وہ اپنے پروردگار کے حضور میں اپنی ہمت اور علم کے موافق گریہ وزاری کرتا ہے جیسے کہ وہ اور اس کے ابنائے جنس بزبان حال اُس کے حضور میں خشوع وخضوع کرتے ہیں اور اس قول خداوندی کے یہی معنی ہیں کہ

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهُ مَن فِيْ السَّمَاوَاتِ وَمَن فِيْ الْأَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ. (سورۃ الحج ۲۲ ۔آیت ۱۸) کیا تو نے نہیں دیکھا کہ خدا کے لئے وہ چیزیں جو آسمانوں میں اور وہ چیزیں جو زمین میں ہیں اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چارپائے اور بہت سے آدمی سجدہ کرتے ہیں اور بہت سوں پر عذاب ثابت ہوا۔

کیا تم یہ نہیں دیکھتے کہ درخت پتوں شگوفوں کا ہر ہر نفس بنانے کے سامنے جو درخت کی تدبیر ہے ہمیشہ اور ہر آن اپنا ہاتھ پھیلائے ہوئے عاجزانہ درخواست کرتا رہتا ہے مگر اس کے ہر ایک حصہ میں عقل ہوتی ہے تو وہ نفس نباتی کا بے نظیر شکر یہ ادا کرتے اور اگر اس کو فہم ہوتا تو بھی درخت خالی اس کے علم اور ارادہ میں بھی منقش ہو جاتی۔

اور انسان کی خاصیتوں میں سے یہ بھی ہے کہ نوع انسانی میں بعض ایسے لوگ بھی ہوں جن کو علوم عقلی کے چشمہ کی طرف خالص توجہ ہو وہ وحی کے ذریعہ سے یا فراست یا خواب کے ذریعہ سے ان علوم کو حاصل کریں اور باقی لوگ جو اس پایہ کے نہ ہوں اس شخص کی رہنمائی اور برکت کے آثار مشاہدہ کر کے اتباع کریں اور اس کے اوامر و مناہی کی پیروی کریں اور افراد انسانی میں کوئی فرد ایسا نہیں ہوتا کہ جس کو بذریعہ خواب کے جس کو دیکھتا ہے اور اپنی رائے سے یا کسی ہاتف کے سننے سے یا بصیرت کی فطانت سے کچھ نہ کچھ غیب کی طرف توجہ نہ ہو، لیکن سب لوگ یکساں نہیں ہوتے بلکہ بعض ان میں باکمال ہوتے ہیں اور بعض ناقص اور ناقصوں کو کامل کی حاجت ہوا کرتی ہے اس کی صفات کا اندازہ بہایم کی صفات سے بالکل جدا ہوتا ہے۔ اس میں فروتنی، پاکیزگی، انصاف، سماحت کے اوصاف ہوتے ہیں۔ عالم جبروت و ملکوت کی روشنیاں اس سے ظاہر ہوتی ہیں۔ اس کی دعا قبول ہوتی ہے۔ تمام کرامات، حالات اور مقامات کا اس سے ظہور ہوتا ہے۔

اگرچہ وہ امور جن کی وجہ سے آدمیوں کو حیوانات پر امتیاز حاصل ہوتا ہے بکثرت ہیں لیکن ان کا مدار دو خصلتوں پر ہے۔

۱۔ قوت عقلی کا بڑھنا۔ اس کے دو شعبے ہیں۔ ایک وہ شعبہ ہے کہ اس میں انتظام بشری کے متعلق مصلحتیں ملحوظ ہوتی ہیں، ان کے دقائق مستنبط کئے جاتے ہیں، اور ایک شعبہ میں علوم غیبی کے حاصل کرنے کی استعداد ہوتی ہے جس کا فیضان وہبی طریقہ سے ہوتا ہے۔

۲۔ قوت عملی کی فوقیت ہے: اس کے بھی دو شعبے ہیں۔ اول یہ کہ اعمال کو اپنے قصد اور اختیار سے کرنا۔ حیوانات کے افعال اختیاری ہوا کرتے ہیں۔ ان کے افعال ان کی طبعیتوں میں راسخ نہیں ہوا کرتے ان افعال کی روح سے ان کے نفوس رنگین نہیں ہوتے۔ ان کو لگاؤ صرف ان

قوتوں سے ہوتا ہے جو روح ہوائی میں قائم ہیں۔اس لگاؤ سے وہ بآسانی اپنے اپنے کام کرتے ہیں اورانسان جو جو فعل کرتا ہےتو بعد فراغ کے وہ افعال تو نابود ہو جاتے ہیں لیکن ان کی روحیں جدا ہو کر نفس میں بیٹھ جاتی ہیں۔اس لئے ان کے نفس میں ایک نور یا تاریکی باقی رہ جاتی ہے۔اورافعال پر مواخذہ کرنے کے لئے جو شارع کا قول شرط ہے وہ اسی طرح پر ہے کہ ان کو قصداً کرے جیسے کہ زہر کی مضرت یا تریاق سے منتفع ہونے کے لئے طبعیت کا قول اس طرح شرط ہے کہ ان دونوں کو آدمی اپنے حلق سے فرد کے اور شکم میں داخل کرے۔

اور ہمارے اس قول کی نفس انسانی میں اعمال کی روح راسخ ہو جاتی ہے یہ دلیل ہے کہ تمام آدمیوں کی جماعتیں ریاضتوں اور عبادتوں پر متفق ہیں۔اپنے موجدان سے انہوں نے اس کے انوار معلوم کر لئے ہیں اور گناہوں اور منہیات سے سب احتراز کرتے ہیں اوراپنے وجدان سے ان کی سنگدلی انہوں نے معلوم کرلی ہے۔

اورایک درجہ ایسا ہے جس میں بلند بلند حالات و مقالات پیش آتے ہیں جیسے محبت الٰہی خدا پر توکل وغیرہ اوراس قسم کے اوصاف حیوانات میں بالکل مفقود ہیں۔اور جاننا چاہئے کہ مزاج انسانی میں ٹھیک اعتدال جس کو صورت نوعیہ عطا کرتی ہےبغیر چند علوم کے کامل نہیں ہوسکتا ازکــــی الناس ہی معلوم کرتا ہےاور لوگ اس کا اتباع کرتے ہیں۔

اوربغیر شریعت کے جس میں علوم الٰہی اور منفعت کی تدابیر شامل ہوں اور وہ قواعد جن میں افعال اختیاری کی بحث اور پانچ قسموں واجب، مستحب، مباح، مکروہ، حرام کی تقسیم اور تفصیل ہو اور وہ مقدمات جن میں مرتبہ احسان کے درجات بیان کئے جائیں۔اس لئے حکمت ورحمت الٰہی میں ضروری ہوا کہ اپنے غیب مقدس میں قوت عقلی کے رزق کو مہیا کرے اور سب سے ازکی الناس کو اس عالم قدس سے علوم اخذ کرنے کے لئے خالص اور جدا کردے۔جیسے کہ تم شہد کے چھتے میں یعسوب کو دیکھتے ہو کہ وہ تمام مکھیوں کی بذات خود تدبیر کرتا ہے۔اگر اس طرح پر علوم کو حاصل کرنا بواسطہ یا بلا واسطہ نہ ہوتا تو جو کمال نوع انسانی کے لئے قرار دیا گیا ہے وہ ہرگز مکمل نہ ہوتا۔کوئی شخص جب حیوانات میں سے کسی کسی نوع کو دیکھتا ہے کہ بغیر گھاس کے اس کی زندگی بسر نہیں ہوتی تو

سمجھ جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس کے لئے چراگاہیں تیار کر دی ہوں گی جس میں بکثرت گھاس ہوگی۔ ایسے ہی خدا کی صنعت میں غور کرنے والے کو یقین ہوتا ہے کہ نوع انسان کے درجہ میں ایسے علوم بھی ہیں جن سے عقل انسانی اپنے نقصان اور خلل کو دور کر سکتی ہے اور اس سے عقل کا کمال نہایت کو پہنچتا ہے۔ ان علوم میں سے ایک حصہ تو حید وصفات کا علم ہے۔ اس علم میں یہ ضروری ہے کہ اس کی تشریح ایسی صاف صاف ہو کہ بالطبع عقل انسانی اس کو حاصل کر سکے۔ اس میں ایسی دقت ہرگز نہ ہو کہ اس کو شاذ ونادر ہی کوئی حاصل کر سکے۔ اس علم کی تشریح اس قول میں ہے کہ سبحان اللہ وبحمدہ کہ خدا تعالیٰ نے اپنے لئے وہ صفتیں ثابت ہیں جن کو ہر شخص جانتا ہے یعنی زندہ رہنا، سننا، دیکھنا، قدرت، ارادہ، کلام، غصہ، رحمت، مالک ہونا، غناء اور اس کے ساتھ ہی یہ ثابت کیا کہ لیس کمثلہ شی (ان صفتوں میں کوئی اس کا ہمتا نہیں ہے۔) اس کی زندگی ہماری سی زندگی نہیں ہے، اس کی بینائی ہماری سی بینائی نہیں ہے، اُس کی قدرت کو ہماری قدرت سے کوئی نسبت نہیں ہے، اُس کا ارادہ ہمارے ارادہ سے الگ ہے، اُس کی کلام کرنے کی شان ہمارے کلام کی سی نہیں ہے۔ وعلیٰ ھذا۔

پھر خدا تعالیٰ نے بے مثل ہونے کی تفسیر ایسے امور سے کی جو ہماری جنس میں بالکل مستعد ہے مثلاً کہا جاتا ہے کہ وہ مینہ کے قطروں کی تعداد کو، بیابانوں کی ریت کی تعداد کو، درختوں کے پتوں کی تعداد کو، حیوانات کے سانس کی تعداد کو جانتا ہے، شب تار میں چیونٹی کے چلنے کو دیکھتا ہے، ان وسوسوں کو سن لیتا ہے جو مقفل دروازوں کے اندر لحافوں کے نیچے پیدا ہوتے ہیں۔

اور ایک حصہ عبادات کا علم ہے اور انہیں علوم میں سے منافع کا علم ہے اور اُن میں سے مخاصمت کا علم یعنی جب ادنیٰ نفوس شبہات پیدا ہو جاتے ہیں جن سے حق کی مخالفت ہوتی ہے تو اُس وقت ان کے دفع کرنے کا کیا طریقہ ہونا چاہئے، اور ان میں سے خدا کی نعمتوں اور اس کی مختلف عقوبتوں کو یاد دلاتا ہے اور عالم برزخ اور قیامت کے واقعات کا بیان کرتا ہے اس لئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے نوع انسان کی استعداد کو جو تمام انسانوں میں نسلاً بعد نسل منتقل ہوتی ہے، اور اس کی قوت ملکیہ کو اور ان تدابیر اور علوم کو جن سے استعداد اور قابلیت کے موافق اس کی اصلاح ہوتی ہے دیکھا اور سب علوم غیب الغیب میں محفوظ طور پر اور محفوظانہ متمثل ہوگئی اسی تمثیل کو اشاعرہ کلام نفسی کے

ساتھ تعبیر کرتے ہیں اور یہ حالت علم، ارادہ، قدرت سے جدا ہے۔

اور جب تمام فرشتوں کی پیدائش کا وقت آیا تو حق تعالیٰ نے معلوم کیا کہ افرادِ انسانی جب ہی کامل ہوں گی کہ بزرگ نفوس پیدا کیے جاویں کہ اُن سے نوعِ انسانی کو ایسا ہی تعلق ہو جیسے کہ ہمارے عقلی قواء کو نفوس سے تعلق ہوتا ہے۔ اس وجہ سے افرادِ انسانی پر اس نے محض عنایت فرمائی اور کلمہ کن سے ان کو ایجاد کیا۔ ان کے دلوں میں اُن علوم کا جو غیب الغیب میں محدود اور محفوظ ہو چکے تھے پرتو ڈالا اور وہ علوم روحانی صورت میں ان کے لئے متصور ہو گئے۔ انہیں نفوس کی طرف سے اس قول میں اشارہ ہے: اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَه. (سورۃ المؤمن ۴۰۔ آیت ۷) جو کہ تیرے رب کا عرش اٹھاتے ہیں اور وہ کہ عرش کے آس پاس ہیں۔

اور جب ایک زمانہ ایسا آیا کہ اس میں دولتوں اور مذاہب کی تبدیلی مقرر تھی تو اس نے قرار دیا کہ وہ علوم روحانی وجود میں ظاہر ہوں۔ اس لئے اس عہد کے موافق ان کی تشریح اور تفصیل کی گئی، اسی کی طرف اشارہ ہے خدا تعالیٰ کے قول میں: اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۔ (سورۃ الدخان ۴۴: آیات ۳۔۴) ہم نے قرآن کو مبارک شب میں نازل کیا ہے، ہم ہی ڈرانے والے تھے، اُس شب میں سب مضبوط کام جدا جدا کیے جاتے ہیں۔

پھر حکمت اللہ نے ایک ذکی شخص کے موجود ہونے کا انتظار کیا جو وحی الٰہی کے قابل ہو۔ اُس کی بلندی مرتبہ اور برتری شان کا حکم دیا گیا یہاں تک کہ جب وہ موجود ہو گیا تو اس کو اپنے لئے خالص کر لیا اور اپنے مقصود کے پورا ہونے کا اس کو ذریعہ بنایا، اپنی کتاب اُس پر نازل کی اور اپنے بندوں پر اُس کی اطاعت واجب کر دی۔ یہی خدا نے حضرت موسیٰؑ سے فرمایا: وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ. (سورۃ طٰہٰ ۲۰۔ آیت ۴۱) میں نے تجھ کو اپنے لئے بنایا۔

پس خدا تعالیٰ نے ان علوم کو غیب الغیب میں جس طرح پر معین فرمایا تو نوعِ انسانی پر محض اس کی عنایت و کرم تھا۔ نوعی استعداد نے ہی حق تعالیٰ سے ملاءِ اعلیٰ کے نفوس کے فیضان کی خود درخواست کی تھی اور نوعی حالات نے ہی اُن قرنوں میں خاص شریعت کی طلب کا اصرار کیا تھا۔

اگر کہا جاوے کہ انسان پر نماز پڑھنا کہاں سے واجب ہوا، رسول کی اطاعت کس طرح

واجب ہوئی، زنا اور چوری کہاں سے حرام ہوئے تو کہا جاوے گا کہ یہ اور وہ اسی طرح کیا گیا کہ جیسے بہایم پر گھاس کا کھانا واجب کیا گیا، گوشت کا کھانا حرام کیا گیا، درندوں پر گوشت کھانا ضروری قرار دیا گیا اور حکم دیا گیا کہ گھاس نہ کھاویں۔شہد کی مکھیوں کو حکم دیا گیا کہ یعسوب کا اتباع کریں۔اتنا فرق ہے کہ حیوانات میں یہ علم جبلی ہیں اورانسان کسب سے،غور سے، وحی یا تقلید سے اُن کو حاصل کرتا ہے۔

باب ۸: تکلیف کا جزا وسزا کے لئے باعث ہونا:

جاننا چاہئے کہ **الناس مجزیون باعمالھم ان خیراً فخیر وان شراً فشراً** لوگوں کو اعمال کی جزا ملے گی۔اگر اعمال اچھے ہیں،اُن کی جزا بھی اچھی ہوگی اور اگر اعمال بد ہیں تو ایسے ہی ان کی جزا بھی بد ہوگی۔

اس جزا وسزا پانے کی چار صورتیں ہیں۔اولاً یہ صورۃ نوعیہ کا مقتضا ہے جیسے کہ چارپایہ جب گھاس کو چرتا ہے اور درندہ جب گوشت کھاتا رہتا ہے تو اُن کا مزاج سلیم رہتا ہے اور جب ہی چارپایہ نے بجائے گھاس کے گوشت کا استعمال کیا اور درندہ بجائے گوشت کے چارہ کا استعمال کرتا ہے تو اُن کا اصلی مزاج بگڑ جاتا ہے۔یہی حال آدمی کا ہے کہ جب وہ ایسے اعمال کرتا ہے جن کی روح بارگاہ حق تعالیٰ میں فروتنی اور نیازمندی ہوتی ہے اُن میں پاکیزگی فیاضی عدالت ہوتی ہے، تب اس کا ملکی مزاج درست رہتا ہے اور جب ایسے کام کرتا ہے کہ جن کی روح ان امور بالا کے خلاف ہوتی ہے تو اُس کی ملکی حالت بگڑ جاتی ہے۔جب وہ بدن کی گرانی سے سبکبار ہوتا ہے اُس وقت نفرت وانس کا اثر اپنے اندر ایسے ہی پاتا ہے جیسے کہ ہم جلنے کی تکلیف معلوم کرتے ہیں۔

دوسری صورت جزا وسزا کی ملاء اعلیٰ کی وجہ سے ہوتی ہے۔جیسے کہ ہمارے اندر دماغی قوتیں ہیں جن کی وجہ سے ہم چنگاری اور برف کا احساس کر لیتے ہیں جب کہ ان پر ہمارا قدم پڑتا ہے۔ایسے ہی خدا تعالیٰ نے محض لطف وعنایت سے سورۃ انسانی کے لئے جو ملکوت میں مصور ہے فرشتوں کو خادم بنایا ہے اس لئے کہ جیسے بغیر قوائے ادراکیہ کے ہماری درستی نہیں ہوسکتی اس کا یہ اثر ہوتا ہے کہ جب آدمی کوئی کام نجات کے قابل کرتا ہے تو فرشتوں سے بہجۃ اور سرور کی شعاعیں خارج ہوتی ہیں اور اگر کوئی مہلک کام کرتا ہے تو نفرت اور بغض کی شعاعیں ان سے خارج ہوتی ہیں اور پھر

وہی شعاعیں اس شخص کے نفس میں حلول کرتی ہیں اور رنجش یا نفرت کا مادہ اس میں پیدا کر دیتی ہیں اور کبھی یہی مادہ رنجش یا نفرت کا بعض فرشتوں یا لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو جاتا ہے۔ اُس وقت الہامی ذریعہ سے اس شخص سے محبت رکھ کر احسان پہنچاتے ہیں یا اس سے متنفر ہو کر رنج میں ڈالتے ہیں۔

اُس کو ایسے ہی خیال کرنا چاہئے کہ جب کسی کا قدم چنگاری پر پڑتا ہے تو اس کے قوائے ادراکیہ کو تکلیف سوزش کی معلوم ہوتی ہے پھر اس تکلیف کی شعاعیں دل پر اثر کر کے اُس کو غم آلودہ کر دیتی ہیں اور طبعیت پر موثر ہو کر اُس کو گداختہ کر دیتی ہیں۔ ان فرشتوں کا ہمارے اندر اثر پہنچانا ایسا ہی ہے جیسے کہ ہمارے ادراکات کا بدنوں میں اثر پہنچانا جیسے کہ ہم میں سے کسی شخص کو رنج یا ذلت کا خوف ہوتا ہے تو پسلیاں کانپنے لگتی ہیں، رنگ زرد ہو جاتا ہے، بدن ضعیف ہو جاتا ہے، اکثر اشتہاء جاتی رہتی ہے، پیشاب سرخ ہو جاتا ہے، اور اکثر خوف کی شدت سے پیشاب یا براز خطا بھی ہو جاتا ہے۔ یہ سب امور اس لئے پیش آتے ہیں کہ قوائے ادراکیہ طبعیت میں اثر کرتی ہیں۔ بذریعہ وحی کے ان کا فرمان طبعیت کو پہنچایا جاتا ہے۔ ایسے ہی اُن فرشتوں کے جو آدمیوں پر مؤکل ہیں آدمیوں پر اور سفلی فرشتوں پر جبلی الہامات مترشح ہوتے ہیں اور آدمیوں کے افراد اُن فرشتوں کے ایسے ہی تابع رہتے ہیں جیسے طبعی قوتیں قوائے ادراکیہ کے تابع رہتی ہیں اور جیسے کہ وہ شعاعیں سفل کی طرف گرتی ہیں، ایسے ہی خطیرۃ القدس کی طرف صعود کر کے اُس میں ایک حالت پیدا کر دیتی ہیں کہ جس کو رحمت و رضا، غضب و لعن سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ اثر ایسے ہی منتقل ہوتا ہے کہ جیسے آگ قرب کی وجہ سے پانی کو گرم کر دیتی ہے اور قیاس کے مقدمات نتیجہ کو مہیا کر دیتے ہیں اور دعا پر قبولیت مرتب ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے عالم جبروت میں ایک نئی حالت پیدا ہوتی رہتی ہے اور ابھی غصہ کی حالت ہوتی ہے اُس کے بعد ہی توبہ کی شان ہوجاتی ہے اور رحمت کے بعد ناخوشی ظاہر ہوجاتی ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ۔ (سورۃ الرعد ۱۳۔ آیت ۱۱)

آنحضرت ﷺ نے اکثر احادیث میں فرمایا ہے کہ فرشتے آدمیوں کے اعمال کو آسمان پر لے جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ اُن سے پوچھتا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حالت میں چھوڑا اور نیز فرمایا کہ دن کے اعمال شب کے اعمال سے پہلے آسمان پر جاتے ہیں۔ اُس میں آنحضرت ﷺ نے اس کی طرف تنبیہ

فرمائی ہے کہ فرشتے آدمیوں اوراس نورالٰہی میں جو کہ خطیرۃالقدس میں قائم ہے ایک طرح پرواسطہ ہیں۔

اور تیسری صورت جزاوسزا کی شریعت کا مقتضا ہوتا ہے جو لوگوں کے لئے قرار دی گئی ہے ۔جس وقت ستاروں کی کوئی نظر ہوتی ہے تو ایک روحانیت کا حصول ہوتا ہے جس میں ستاروں کی قوتیں ملی ہوتی ہیں اور فلک کے کسی حصے میں وہ مصور ہوتی ہے اوراس روحانیت کو چاند جو احکام فلکی کو منتقل کرنے والا ہے، زمین کی طرف منتقل کرتا ہے تو اہل زمین کے ارادے اس روحانیت کے موافق پھر جاتے ہیں ۔ایسے ہی خدا تعالیٰ بھی جانتا ہے کہ جب ایک خاص وقت آوے گا جس کو شرع میں لیلہ مبارک کہتے ہیں اوراس میں سب مستحکم امور کا فیصلہ کیا جاتا ہے تو عالم ملکوت میں ایک روحانیت کا ظہور رہتا ہے جس میں نوع انسان کے احکامات شامل ہوتے ہیں اور بمقتضائے وقت وہاں سے سب لوگوں میں سے نہایت ذکی شخص پر الہامات برستے ہیں اوراسی کے واسطہ سے لوگوں کے نفوس پر جو ذکاوت میں اُس سے زیادہ قریب ہوتے ہیں اُسی قسم کے علوم کا القا ہوتا ہے، پھر سب لوگوں پر اُن الہامات کے تسلیم اور پسندیدگی کا الہام ہوتا ہے ۔اُن کے معاون کی تائید کی جاتی ہے اوران کا مخالف ذلیل کیا جاتا ہے،اوراسفل کے فرشتوں کو الہام ہوتا ہے کہ اُن کے فرمانبردار پر احسان کریں اور نافرمانی کرنے والوں کو تکلیف پہنچا دیں،اور پھر ان کا اثر ملاءاعلیٰ اور خطیرۃالقدس کی جانب صعود کرتا ہے،اور وہاں خوشنودی اور ناخوشی اس سے پیدا ہوتی ہے۔

اور چوتھی صورت جزاوسزا کی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی آنحضرت ﷺ کی بعثت سے یہ غرض تھی کہ لوگوں پر مہربانی کرے،اور نیکی سے ان کو قریب کرے۔اس واسطے لوگوں پر آپ کی اطاعت کو اُس نے واجب کیا اس لئے وحی کے علوم آپ کے سامنے متشخص اور مصور ہو گئے،وہ آپ ﷺ کی ہمت اور دعا سے ممزوج ہو گئے ۔خدا کا حکم ہوا کہ آپ کی امداد کی جاوے تا کہ آپ ﷺ کے مقاصد میں استحکام پیدا ہو۔

اب جو جزاوسزا کہ بمقتضائے صورۃ نوعیہ اور ملاءاعلیٰ کی وجہ سے ظہور پذیر ہوتی ہے وہ تو فطرت الٰہی کا اثر ہے جس پر لوگوں کو پیدا کیا گیا ہے ۔ فَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا (سورۃ الفاطر ۳۵: آیت ۴۳)اور تو خدا کے طریقہ میں تبدیلی نہ پاوے گا۔

اور دین اسی طرف کا نام ہے جس میں زمانوں کے بدلنے سے کوئی اختلاف نہیں ہوتا اور

تمام انبیاء کا اس پر اتفاق ہے جیسے کہ خدائے تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: إِنَّ هَـٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً. (سورۃ الانبیاء ۲۱: آیت ۹۲) اور آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: الانبیاء بنو علات ابوھم واحد و امھاتھم شتی۔ انبیاء علاتی بھائی ہیں، ان کا باپ ایک ہی ہے اور مائیں مختلف ہیں۔ اور اس پر مواخذہ ہمیشہ ہوتا ہے۔ انبیاء کے بعثت سے پہلے بھی ہوتا ہے اور بعد کو بھی۔ اس میں دونوں برابر ہیں۔ اور جو جزا وسزا بمقتضائے شریعت ہوتی ہے اس میں زمانہ کی تبدیلی سے تبدیلی ہو جایا کرتی ہے اور پیغمبروں کی بعثت اسی لیے ہوا کرتی ہے اور آنحضرت ﷺ کے قول میں اسی کی طرف اشارہ ہے: انما مَثَلی ومَثَل ما بعثنی الله به کمَثَل رجلٍ اتی قومًا فقال: یا قوم، انی رایت الجیش بعینی، وانی انا النذیر العُریان، فالنَّجاءَ، فاطاعه طائفة من قومه، فادلجوا، فانطلقوا علی مَهَلِهم فنَجَوا، وکذبت طائفة منهم، فاصبحوا مکانهم، فصبَّحهم الجیشُ فذلک مثل منی اطاعنی فاتبع ما جئت به، ومثل من عصانی وکذب بما جئت به من الحق۔ تحقیق میری اور میری رسالت کی ایسی مثال ہے کہ جیسا ایک شخص نے اپنی قوم سے آکر کہا کہ میں نے اپنی آنکھ سے لشکر دیکھا ہے اور میں صاف صاف تم کو اس سے ڈراتا ہوں خبردار ہو جاؤ اور اپنے آپ کو بچاؤ اس قوم میں بعض لوگوں نے اس کا کہا مان لیا اور تڑکے ہی سے وہ سامان سفر کر کے چل دیئے اور وہ بچ گئے اور بعض نے اس کے کہنے کو نہ مانا اور اپنی اپنی جگہ ٹھہرے رہے اور صبح کو اس لشکر نے ان کو آلیا اور بیخ و بن سے اس کا استیصال کر دیا، ایسے ہی ان لوگوں کا حال ہے، انہوں نے میری اطاعت کر کے ان احکام کا اتباع کیا جن کو میں لایا ہوں اور ان لوگوں کا جنہوں نے نافرمانی کی، اُن حق باتوں کی تکذیب کی جن کو میں لایا ہوں۔

اور جزا وسزا کا جو چوتھا طریقہ ہے وہ جب ہی ہوتا ہے کہ انبیاء کی بعثت ہو، لوگوں کے شبہے دور ہو جائیں اور تبلیغ رسالت ٹھیک ٹھیک ہو جائے: لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَن بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَن بَيِّنَةٍ۔ (سورۃ الانفال ۸: آیت ۴۲) کہ جو ہلاک ہو وہ دلیل سے ہی ہلاک ہو اور جو زندہ بچے وہ بھی دلیل سے ہی زندہ بچے۔

گلستان سعدیؒ

(پہلا باب: بادشاہوں کی عادت کے بیان میں)

(شیخ سعدیؒ)

حکایت ۱۵: ایک برخاست شدہ وزیر درویشوں کے حلقہ میں آیا اور ان کی صحبت کی برکت اس میں اثر کر گئی، اور اس کو دلجمعی حاصل ہو گئی، اور بادشاہ اس سے پھر خوش ہو گیا اور اس کو کام پر لگایا۔ اس نے قبول نہ کیا اور کہا: کام پر لگنے سے معزولی ہی اچھی ہے۔

رباعی

آنانکہ بہ کنج عافیت بہ نشستند دندانِ سگ و دہان مردم بستند
کاغذ بدریدند و قلم بہ شکستند و ز دست و زبانِ حرفگیراں رستند

(جو لوگ گوشۂ عافیت میں جا بیٹھے انہوں نے کتے کے دانت اور آدمیوں کا منہ بند کر دیا۔ کاغذ پھاڑا اور قلم توڑا، اور نکتہ چینوں کے دست و زبان سے چھوٹ گئے۔)

بادشاہ نے کہا: ہمیں لامحالہ ایک ایسا عقل مند درکار ہے جو تدبیر مملکت کے لائق ہو۔ اس نے کہا: پورے عقل مند کی علامت یہی ہے کہ جو اس قسم کے کاموں میں نہ لگے۔

فرد

ہُمای بر سرِ مرغاں ازاں شرف دارد کہ استخواں خورد و طائرے نیا زارد

(تمام پرندوں پر ہُما اسی وجہ سے شرافت رکھتا ہے کہ ہڈیاں کھا لیتا ہے اور کسی پرندے کو نہیں ستاتا۔)

حکایت ۱۶: سیاہ گوش سے پوچھا گیا: تجھے شیر کے ساتھ رہنا کیوں پسند آیا؟ اس نے کہا: تاکہ اس کا پسماندہ کھا لیا کروں اور دشمنوں کے شر سے (بچ کر) اس کے دبدبہ کی پناہ میں

زندگی بسر کرلوں۔انہوں نے کہا:اب جب کہ تو اس کی حمایت کے سایہ میں آگیا اور اُس کی نعمت کے شکریے کا تو نے اقرار کرلیا،اس کے زیادہ نزدیک کیوں نہیں آتا؟ تا کہ وہ شیر تجھے اپنے خواص کے حلقہ میں داخل کرلے اور اپنے مخلص خادموں میں گننے لگے۔اس نے کہا: میں اسی طرح اس کی گرفت سے بھی بے خوف نہیں ہوں۔

فرد

اگر صد سال گبر آتش فروزد　　　اگر یک دم درو افتد بہ سوزد

(اگر آتش پرست سوسال تک بھی آگ کو روشن کرے،اگر اس میں ذرا بھی گر جائے تو جل جائے۔)

ہوسکتا ہے کہ بادشاہ کا مصاحب سونا حاصل کرلے اور ہوسکتا ہے کہ اس کا سر ہی جاتا رہے،اور عقل مندوں نے کہا ہے:بادشاہوں کی تلوّن مزاجی سے ڈرتے رہنا چاہئے کہ کبھی تو سلام کرنے سے رنجیدہ ہوجاتے ہیں اور کبھی گالی پر جوڑا بخشتے ہیں،اور لوگوں نے کہا ہے: زیادہ ہنسی مذاق کرنا مصاحبوں کا ہنر ہے اور عقل مندوں کے لئے باعث عیب۔

فرد

تو برسرِ قدرِ خویشتن باش و وقار　　　بازی و ظرافت بہ ندیماں بگذار

(تو اپنے مرتبہ و مقام پر قائم رہ،ہنسی اور مذاق مصاحبوں کے لئے چھوڑ۔)

حکایت ۱۷: دوستوں میں سے ایک دوست ناموافق زمانہ کی شکایت لے کر میرے پاس آیا کہ میں آمدنی تھوڑی رکھتا ہوں اور بال بچے زیادہ،اور فاقہ کشی کی اب طاقت نہیں رہی،اور بہت دفعہ دل میں آیا کہ کسی دوسرے ملک میں چلا جاؤں تا کہ جس صورت سے بھی زندگی کٹے کسی کو میرے اچھے برے کی خبر نہ ہو۔

بیت

بس گرسنہ خفت وکس ندانست کہ کیست　　　بس جاں بلب آمد کہ بروکس نہ گریست

(بہت سے بھوکے سوئے اور کوئی نہ جان سکا کہ یہ کون ہیں۔بہت سے ایسے ہیں کہ اُن

کی جان ہونٹوں پر آئی اور اُن پر کوئی نہ رویا۔)

پھر دشمنوں کی خوشی کا خیال کرتا ہوں کہ میری پیٹھ پیچھے طعنہ زنی کر کے ہنسی اڑائیں گے اور میری اس کوشش کو بال بچوں کے بارے میں بے مروتی پر محمول کریں گے اور کہیں گے:

قطعہ

بہ بیں آں بے حمیت را کہ ہرگز — نخواہد دید روئے نیک بختی
کہ آسانی گزیند خویشتن را — زن و فرزند بگذارد بسختی

(اُس بے غیرت کو دیکھو کہ ہرگز وہ نیک بختی کا منہ نہ دیکھے گا کہ اپنے لئے آسانی اختیار کرتا ہے، بیوی بچوں کو سختی میں چھوڑتا ہے۔)

اور علم حساب میں جیسا کہ جناب کو معلوم ہے میں کچھ جانتا ہوں، اگر جناب کے مرتبہ کے طفیل کوئی خدمت میرے لئے مقرر ہو جائے جو کہ دلجمعی کا سبب ہو تو باقی عمر اس احسان کے شکریہ سے سبکدوش نہ ہو سکوں گا۔ میں نے کہا: اے بھائی! بادشاہ کی نوکری کے دو پہلو ہیں: روٹی کی امید اور جان کا خطرہ، اور عقل مندوں کی رائے کے خلاف ہے اس امید میں اس خطرے میں پڑنا۔

قطعہ

کس نیاید بخانۂ درویش — کہ خراج زمین و باغ بدہ
یا بہ تشویش و غصہ راضی شو — یا جگر بند پیش زاغ بنہ

(فقیر کے گھر پر کوئی نہیں آتا کہ زمین اور باغ کا ٹیکس ادا کرے۔ یا تو رنج و پریشانی پر راضی ہو جا یا کلیجی (چیل) کوے کے لئے نکال کر رکھ دے۔)

اس نے کہا: جناب نے یہ بات میرے مناسب حال نہیں فرمائی اور میرے سوال کا جواب نہ دیا۔ آپ نے یہ نہیں سنا کہ بزدلی کی وجہ سے اُسی کا ہاتھ کانپتا ہے جو خیانت کرتا ہے۔

فرد

راستی موجب رضائے خدا ست — کس ندیدم کہ گم شد از رہِ راست

(سچائی خدا کے راضی ہونے کا سبب ہے۔ میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ سیدھے راستے پر بھٹکا ہو۔)

عقل مندوں نے کہا ہے کہ چار آدمیوں کی چار آدمیوں سے دشمنی ہوتی ہے: ڈاکو کی بادشاہ سے، چور کی چوکیدار سے، بدکار کی چغل خور سے، رنڈی کی کوتوال سے۔ جس کا حساب پاک ہے اس کو حساب کتاب کا کیا ڈر۔

قطعہ

مکن فراخ روی در عمل اگر خواہی   کہ روزِ رفع تو باشد مجالِ دشمن تنگ
تو پاک باش برادر مدار از کس باک   زنند جامۂ ناپاک گازراں بر سنگ

(کام میں پھیلاؤ نہ پیدا کر، اگر تو چاہتا ہے کہ تیری پیشی کے دن دشمن کے لئے میدان تنگ ہو۔ اے بھائی تو پاک رہ اور کسی کا خوف نہ کر کیونکہ ناپاک کپڑے ہی کو دھوبی پتھر پر کوٹتے ہیں۔)

میں نے کہا: ایک لومڑی کا قصہ تیرے حال کے مناسب ہے جس کو لوگوں نے بھاگتے ہوئے اور گرتے پڑتے ہوئے دیکھا۔ کسی نے اس سے دریافت کیا کہ کیا مصیبت ہے جو ڈر کا سبب ہے۔ اُس نے کہا: میں نے سنا ہے کہ شیر کو بیگار میں پکڑ رہے ہیں۔ اُس نے کہا: اے بیوقوف! تجھے شیر سے کیا نسبت ہے؟ اور اُس کو تجھ سے کیا مشابہت؟ اُس نے کہا: چپ رہ کہ اگر حاسد لوگ دشمنی میں کہہ دیں کہ یہ بھی شیر کا بچہ ہے اور میں پکڑی جاؤں تو مجھے چھڑانے کا کسے غم ہوگا کہ جو حال کی چھان بین کرے گا، اور جب تک عراق سے تریاق لایا جائے گا، سانپ کا ڈسا ہوا مردہ ہو جائے گا۔ بے شک تجھ میں بزرگی، دیانت، پرہیزگاری اور امانت ہے لیکن نکتہ چین گھات میں ہیں، اور دشمن گوشوں میں چھپے ہیں۔ اگر لوگ تیری عادت کے خلاف ثابت کریں اور تو بادشاہ کے روبرو جواب طلبی کے لئے جائے تو اس حالت میں کس کو بات کرنے کی طاقت ہوگی؟ لہٰذا میرے نزدیک مناسب یہی ہے کہ تو قناعت کے ملک ہی کی نگہبانی کرے اور سرداری کا خیال چھوڑ دے۔

قطعہ

بہ دریا در منافع بے شمار ست   اگر خواہی سلامت بر کنار ست

(دریا میں بے شمار منافع ہیں، اگر سلامتی چاہتا ہے تو وہ کنارے پر ہے۔)

دوست نے جب یہ بات سنی تو ناراض ہوگیا اور یہ حکایت سن کر منہ بگاڑ لیا اور رنجش آمیز باتیں شروع کردیں کہ یہ کون سی عقل مندی، ذہانت اور سمجھ بوجھ کی بات ہے۔ دانشمندوں کی یہ بات

درست نکلی کہ انہوں نے کہا: دوست وہ ہیں جو قید خانہ میں کام آئیں، اس لئے کہ دستر خوان پر تو سب دشمن بھی دوست ہی نظر آتے ہیں۔

قطعہ

دوست مشمار آنکہ در نعمت زند لاف یاری و برادر خواندگی
دوست آں دانم کہ گیرد دستِ دوست در پریشاں حالی و درماندگی

(اُس کو دوست نہ گن جو عیش کے زمانہ میں دوستی اور بھائی بندی کی ڈینگیں مارے۔ میں اس کو دوست سمجھتا ہوں جو دوست کی عاجزی اور پریشانی کی حالت میں دستگیری کرے۔)

میں نے دیکھا کہ وہ بگڑ رہا ہے اور میری نصیحت کو خود غرضانہ سمجھ کر سن رہا ہے۔ میں کچہری کے افسر کے پاس گیا اور اپنی پہلی جان پہچان کی بناء پر میں نے اس دوست کی حالت بیان کی اور اس کی قابلیت اور استحقاق کو بتایا۔ چنانچہ ایک معمولی کام پر اس کو لگا دیا۔ اس بات کو کچھ ہی عرصہ گزرا تھا کہ انہوں نے اس کی طبعیت کی پاکیزگی کا اندازہ کر لیا اور اس کی حسن تدبیر کو پسند کیا۔ اُس کا کام اُس سے بڑھ گیا، اور اُس عہدہ سے بڑے عہدہ پر پہنچ گیا۔ اسی طریقہ پر اس کی نیک بختی کا ستارہ ترقی پر تھا، یہاں تک کہ ارادتمندوں کی بلندی پر پہنچ گیا اور شاہی دربار کا مقرب اور معتمد علیہ بن گیا۔ اس کی حالت کی سلامتی پر میں خوش ہوا اور میں نے کہا:

فرد

زکارِ بستہ میندیش و دل شکستہ مدار کہ آبِ چشمہ حیواں درونِ تاریکیست

(ناکامی کی فکر نہ کر اور دل نہ توڑ کیونکہ حیات کے چشمہ کا پانی تاریکی میں ہے۔)

شعر

اَلا لَا یَجْــارَنْ اَخُــوَ الْبَلِیَّةِ فَـلِـلرَّحـمٰنِ اَلطَافُ خَفِیَّةٌ

(مصیبت زدہ ہرگز نہ بلبلائے، اس لئے کہ خدا کی چھپی ہوئی مہربانیاں ہیں۔)

فرد

منشیں ترش از گردشِ ایام کہ صبر تلخ ست و لیکن بر شیریں دارد

(زمانہ کی گردش سے منہ بگاڑ کر نہ بیٹھ۔ اس لئے کہ صبر اگرچہ کڑوا ہے لیکن پھل شیریں

رکھتا ہے۔)

قریبی وقت میں مجھے کچھ دوستوں کے ساتھ سفر کرنے کا اتفاق ہو گیا۔ جب مکہ کی زیارت سے واپس لوٹا، اُس دوست نے ایک دو پڑاؤ آگے بڑھ کے میرا استقبال کیا۔ میں نے اس کے ظاہری حال کو پریشان اور درویشوں کی ہیئت میں دیکھا۔ میں نے کہا: کیا حال ہے؟ اُس نے کہا: جیسا کہ جناب نے فرمایا تھا۔ ایک گروہ نے حسد پیدا کیا اور مجھ پر خیانت کا الزام لگا دیا اور بادشاہ سلامت نے اُس حقیقت کی جستجو میں پوری کوشش نہ فرمائی، اور پرانے ساتھی اور پکے دوست سچ بات کہنے سے خاموش ہو گئے اور پرانی دوستی کو بھلا دیا۔

قطعہ

نہ بینی کہ پیشِ خداوندِ جاہ ستایش کناں دست بَر بَر نہند
اگر روزگارش در آرد ز پای ہمہ عالمش پای بر سر نہند

(کیا تو نے یہ نہیں دیکھا کہ صاحب مرتبہ انسان کے آگے لوگ تعریف کرتے ہوئے سینہ پر ہاتھ رکھتے ہیں۔ اگر زمانہ اس کو گرا دیتا ہے تو تمام دنیا اس کے سر پر پاؤں رکھ دیتی ہے۔)

خلاصہ یہ کہ میں طرح طرح کی سزاؤں میں گرفتار ہوا۔ یہاں تک کہ اسی ہفتہ جب حاجیوں کی خیریت کی خوشخبری پہنچی تو مجھے بھاری بیڑیوں سے نکالا اور میری اپنی جائیداد مجھے دی۔ میں نے کہا: اس وقت تو نے میرا مشورہ نہ مانا کہ میں نے تجھ سے کہا تھا کہ بادشاہوں کی نوکری دریائی سفر کی طرح ہے۔ خطرناک اور سفید۔ یا تو خزانہ ہی حاصل کرلے گا یا بھنور میں مرے گا۔

قطعہ

ندانستی کہ بینی بند بر پای چو در گوشت نیاید پندِ مردم
دگر رہ گر نداری طاقتِ نیش مکن انگشت در سوراخِ کژدم

(تو یہ نہ سمجھا کہ تو اپنے پیر میں بیڑی پڑی دیکھے گا چونکہ تیرے کان میں انسانوں کی نصیحت نہیں پڑتی ہے۔ اگر تجھ میں دوبارہ ڈنگ کھانے کی طاقت نہیں ہے تو بچھو کے سوراخ میں انگلی نہ ڈال۔)

قابوس نامہ

(فارسی: امیر کیکاؤس بن سکندر)

مترجم: سید رحمت اللہ شاہ

نواں باب۔ بڑھاپے اور جوانی کی تربیت کا بیان

اے بیٹے! اگر چہ تو جوان ہے لیکن عقل مند بوڑھے کی مانند بن۔ میں یہ نہیں کہتا کہ تو جوانی کے مزے نہ لے لیکن جوانی میں خود کو قابو میں رکھ اور پژمردہ نہ بن۔ جوانی کا جوش اچھا ہے جیسا کہ حکیم ارسطو نے کہا ہے: اَلشَّبَابُ نُوعٍ مِنَ الجُنُون۔ (جوانی جنون کی ایک قسم ہے۔) لیکن ناسمجھ اور جاہل جوانی اختیار نہ کر کیونکہ جوش میں نقصان نہیں لیکن سستی اور کاہلی میں سخت مصیبت ہوتی ہے۔ اپنی جوانی سے اپنی طاقت کے مطابق فائدہ اٹھا کیونکہ جب بڑھاپا آئے گا تو کچھ نہ کر سکے گا جیسا کہ ایک بوڑھے نے کہا: میں نے جوانی میں بہت مال خرچ کیا لیکن خوبصورت لوگوں نے مجھے نہیں چاہا۔ جب میں بوڑھا ہوا تو اب میں انہیں نہیں چاہتا۔

شعر

سبحان اللہ درین جوانی و ھوس روز و شبم اندیشہ ھمین بودی بس
کاندر پیری زمن بباید کس را خود پیرم مرا نبایست از کس

(سبحان اللہ! جوانی اور خواہش کے دنوں میں میرے دن رات کا یہی خیال تھا کہ بڑھاپے میں مجھے کسی کی ضرورت ہوگی، اب بوڑھا ہوا تو کسی کی ضرورت نہیں رہی۔)

بے شک تو جوان ہے لیکن اللہ تعالیٰ کو کبھی مت بھول۔ کسی بھی وقت موت سے غافل نہ ہو، کیونکہ موت صرف بوڑھوں کے لئے مخصوص نہیں ہے اور جوان اس سے بری نہیں ہیں، جیسا کہ عسجدی نے کہا:

شعر

مرگ بہ پیری و جوانیستی پیر بمردی و جوان زیستی

(موت بوڑھوں یا جوانوں کے لئے مخصوص نہیں ہے۔ایسا نہیں ہے کہ بوڑھا مر جائے گا اور جوان زندہ رہے گا۔)

اور جان لے کہ جو کوئی پیدا ہوا اس کو یقیناً مرنا ہے،جیسا کہ سننے میں آیا ہے:

حکایت: کسی شہر میں ایک درزی تھا جو شہر کے دروازے کے قریب اپنی دکان پر بیٹھتا تھا۔ اسکی دکان گزرگاہ کے قریب تھی جہاں سے جنازے گزرتے تھے۔درزی نے ایک دیوار پر کوزہ لٹکا رکھا تھا اور اس کا معمول تھا کہ جب بھی کوئی جنازہ شہر سے باہر لے جایا جاتا،وہ اس کوزے میں ایک پتھر ڈال دیتا۔مہینے کے آخر میں وہ ان پتھروں کی گنتی کرتا کہ کتنے لوگ وفات پا گئے ہیں۔پھر کوزے کو خالی کر دیتا اور نئے پتھر ڈالنے شروع کر دیتا۔ایک مدت گزری اور وہ درزی خود بھی وفات پا گیا۔ ایک شخص،جو اس سے ملنے آیا تھا،اس کی دکان کو بند پایا۔اس نے ہمسائے سے پوچھا:یہ درزی کہاں گیا؟ وہ یہاں موجود کیوں نہیں ہے؟ ہمسائے نے جواب دیا:درزی بھی کوزے میں جا چکا ہے۔

لیکن اے بیٹے! ہوشیار رہ اور جوانی پر غرور نہ کر۔طاعت و معصیت کسی بھی حالت میں ہو اللہ عزوجل سے ڈرتا رہ،اس سے معافی مانگ اور موت کا خوف رکھتا کہ درزی کی طرح اچانک گناہوں کے بوجھ کے ساتھ کوزے میں نہ جا پڑے۔صرف جوانوں کے ساتھ وقت نہ گزار بلکہ بوڑھوں کے ساتھ بھی بیٹھا کر۔اپنے دوستوں اور ساتھیوں کو جوان اور بوڑھوں میں تقسیم کر کیونکہ جوان اگر کسی فضول کام کا ارادہ کرے تو بوڑھے اسے اس سے روک سکتے ہیں۔بوڑھے وہ باتیں جانتے ہیں جو جوان نہیں جانتے۔اگرچہ عام طور پر جوان بوڑھوں پر طنز کرتے ہیں کیونکہ وہ بوڑھوں کو جوانی کے لئے حسرت کرتے دیکھتے ہیں لیکن یہ مناسب نہیں کہ جوان بوڑھوں پر برتری جتائیں اور ان کی بے حرمتی کریں کیونکہ بوڑھے اپنی جوانی گزار چکے ہیں اور اس کے ثمرات سمیٹ چکے ہیں،جوانوں کو یقیناً بوڑھے ہونے کی خواہش ہوگی،اور یہ خواہش پوری ہو بھی سکتی ہے اور نہیں

بھی۔اگر گہرائی سے دیکھا جائے تو دونوں ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔جوانی میں انسان خودکو عقل مند سمجھتا ہے لیکن تو ایسے جوانوں میں شامل نہ ہو۔بوڑھوں کی عزت کر اور ان سے بات کرتے وقت احتیاط کر کیونکہ بوڑھوں کا جواب اکثر حکمت سے بھرپور ہوتا ہے۔

حکایت: روایت ہے کہ ایک بوڑھا شخص تھا جو سو سال کا ہو چکا تھا۔اس کی کمر جھک چکی تھی، وہ دوہرا ہو چکا تھا اور چھڑی کے سہارے چل رہا تھا۔ایک نوجوان نے اس پر طنز کرتے ہوئے کہا: اے شیخ! یہ کمان سی شکل کی کمر کتنے میں خریدی؟ تاکہ میں بھی ایک لے لوں۔بوڑھے نے جواب دیا: اگر عمر پائے اور صبر کرے تو یہ تجھے مفت ہی مل جائے گی۔

جب تو بوڑھا ہو اور ہنر مند بھی ہو تو ایسے بوڑھوں کے ساتھ نہ بیٹھ جو اپنی جگہ پر قائم نہیں ہیں کیونکہ ان کی نسبت ان جوانوں سے ملنا جلنا بہتر ہے جو اپنی جگہ پر قائم ہیں تو جوان ہے تو جوان بن اور جب تجھ پر بڑھاپا آ جائے تو بوڑھا بن۔اس حوالے سے میں یہاں دو اشعار کہتا ہوں:

گفتم کہ در سوای زنجیری کن　　　　بامن بنشین و بہ دلم میری کن

گفتا کہ سپید حات تا قیری کن　　　　سودا چہ پزی؟ پیر شدی پیری کن

(میں نے کہا کہ میرے بندھن میں آ، میرے ساتھ بیٹھ اور میرے دل پر حکمرانی کر۔اس نے کہا کہ اپنی سفیدی کا خیال کر۔یہ کیسی دیوانگی ہے؟ اب تو بوڑھا ہو چکا ہے، بڑھاپا ہی کر۔)

جوانی کے وقت میں بڑھاپا نہ دکھا۔جیسے تو جوانی میں بڑھاپا نہیں دکھاتا، ایسے ہی بڑھاپے میں جوان نہ بن کیونکہ بڑھاپے میں جوانی دکھانا شکست کے وقت بگل بجانے جیسا ہے؛ جیسے میں نے زہد میں کہا:

شعر

چون بوق زدن باشد در وقت ہزیمت　　　　مردی کہ جوانی کند اندر کہ پیری

(جیسے شکست کے وقت بگل بجانا ہے، بڑھاپے میں جوان بننا ویسا ہی ہے۔)

خودپسند یا شوخ نہ بن کیونکہ کہا جاتا ہے کہ شوخ بوڑھا بدتر ہے، اور شوخی کرنے والے

ناپاک بوڑھوں سے بچ کیونکہ جوانوں کو بڑھاپے کی امید ہوتی ہے جب کہ بوڑھوں کو موت کے سوا کوئی امید نہیں ہوتی۔ ان کے لئے موت کے سوا کسی اور چیز کی امید رکھنا ضروری ہے کیونکہ جب اناج پک جاتا ہے، اگر اسے کاٹا نہ جائے تو وہ خودبخود گر جاتا ہے۔ اسی طرح جیسے پھل پک جانے پر اگر اسے توڑا نہ جائے تو خودبخود درخت سے گر جاتا ہے۔ جیسا کہ میں نے کہا ہے:

شعر

گر بر سر ماہ نھی پایہ تخت ورھمچو سلیمان شوی از دولت و بخت

چوں عمر تو پختہ گشت بر بندی رخت کان میوہ کہ پختہ شد بیفتد ز درخت

(اگر تو چاند پر بھی اپنا پایہ تخت قائم کر لے اور حضرت سلیمانؑ کی طرح دولت اور بخت میں ہو جائے، پھر بھی جب تیری عمر پختہ ہو جائے تو تو بھی اپنا سامان باندھ لے کیونکہ جو پھل پک جاتا ہے، وہ درخت سے خود ہی گر جاتا ہے۔)

جیسا کہ امیر المومنین حضرت علیؓ نے فرمایا:

شعر

اذا تم امر دنا نقصہ توقع زوالا اذا قیل تم

(جب کوئی کام مکمل ہو جاتا ہے تو اس کی کمی کا وقت قریب ہوتا ہے، جب کہا جائے کہ یہ پورا ہو گیا ہے تو زوال کی توقع کر۔)

اور یہ جان لے کہ تجھے ہمیشہ یہاں نہیں رہنے دیا جائے گا۔ کیونکہ جب تیری حسیں کام کرنا چھوڑ دیں گی، دیکھنے، بولنے، سننے، چھونے، اور ذائقہ چکھنے کی صلاحیتیں سب تجھ سے چھن جائیں گی تو نہ تو اپنی زندگی سے خوش ہوگا، اور نہ ہی لوگ تیری زندگی سے خوش ہوں گے۔ تو لوگوں پر بوجھ بن جائے گا، اس لئے ایسی زندگی سے موت بہتر ہے۔

جب تو بوڑھا ہو جائے تو جوانی کی پوری نہ ہونے والی خواہشات سے دور رہ کیونکہ جو موت کے قریب ہو اسے جوانی کی ضروری خواہشات سے دور رہنا چاہئے۔ انسان کی زندگی کی مثال

سورج کی سی ہے۔ جوانوں کا سورج آسمان پر مشرق کی طرف ہوتا ہے جب کہ بوڑھوں کا سورج آسمان پر مغرب کی طرف ہوتا ہے،اور وہ سورج جو مغرب میں ہو اسے غروب کے قریب خیال کرو جیسا کہ میں کہتا ہوں:

سلطان جہاں در کف پیری شدہ عاجز تدبیر شدن کن تو کہ چون شست درآمد
روزت بہ نماز دگر آمد بہ ھمہ حال شب زود در آید دگر آمد

(جہان کے سلطان بھی بڑھاپے کے ہاتھوں عاجز ہو گئے ہیں۔ اپنی تیاری کر کیونکہ انجام واضح ہو چکا ہے۔ تیرے دوسری نماز کے دن آ پہنچے ہیں۔ ہر حال میں رات جلد آتی ہے کیونکہ دوسری نماز کا وقت ہو چکا ہے۔)

اسی طرح بوڑھے کو جوانوں کی عقل اور ان جیسے کاموں کا حامل نہیں ہونا چاہئے۔ ہمیشہ بوڑھوں کے ساتھ رحم دلی سے پیش آ کیونکہ بڑھاپا ایک بیماری ہے جس کی عیادت کوئی نہیں کرتا۔ بڑھاپا ایک ایسی بیماری ہے جس کا علاج سوائے موت کے کوئی طبیب نہیں کرتا۔ کیونکہ بوڑھا شخص بڑھاپے کی تکلیف سے اس وقت تک آرام نہیں پاتا جب تک مر نہ جائے۔ ہر آنے والے دن اسے بہتر ہونے کی امید ہوتی ہے لیکن بڑھاپے کی بیماری ہر روز بگڑتی جاتی ہے اور بہتر ہونے کی کوئی امید نہیں ہوتی۔ میں نے ایک کتاب میں پڑھا ہے کہ ایک آدمی تیس یا ایسے ہی کچھ سال کی عمر تک قوت اور ترکیب میں آگے بڑھتا ہے۔ تیس سے چالیس سال تک پھر وہ اسی حال میں رہتا ہے، اس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوتی۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے سورج آسمان میں اپنی رفتار سے پہنچ کر سست ہو جاتا ہے اور پھر غروب ہو جاتا ہے۔ اسی طرح چالیس سے پچاس سال تک آدمی اپنے اندر ہر سال کمی دیکھتا ہے، گویا اس نے بوجھ اٹھایا نہیں تھا۔ پچاس سے ستر سال کی عمر تک وہ اپنے اندر ہر مہینے ایسی کمزوری محسوس کرتا ہے جو پیچھے گزرنے والے مہینے میں نہ تھی۔ پھر ستر سے اسی سال تک کی عمر میں ہر نئے ہفتے ایسی کمزوری محسوس کرتا ہے جو گزشتہ ہفتے نہ تھی، اور اسی سے سو سال تک کی عمر میں ہر روز ایسی کمزوری دیکھتا ہے جو گزشتہ دن نہ تھی۔ اور اگر سو سال سے بڑھ جائے تو پھر ہر گھنٹہ اپنے اندر وہ

کمزوری اور درد محسوس کرتا ہے جو پچھلے گھنٹے کے دوران نہ تھا۔ عمر کی حد چالیس سال ہے جیسے چالیس قدموں والی سیڑھی۔ اس کے بعد تو مزید نہیں بڑھ سکتا۔ جیسے تو اوپر گیا ہے ایسے ہی اب تجھے نیچے آنا ہو گا۔ اور جہاں سے تو چلا ہے وہاں سے واپسی ضروری ہے، اور یہ بات حیرت کی بھی نہیں ہے کہ بڑھاپا انسان کا دشمن ہے اور انسان اس دشمن سے شکوہ کرتا ہے۔ جیسے میں نے کہا ایسے ہی ہے:

نظم

اگر کنم گلہ از وی عجب مدار از من کہ وی بلای من است وگلہ ای بود زبلا

(اگر میں اس سے شکایت کروں تو اسے تعجب نہ سمجھ کیونکہ وہ میری مصیبت ہے اور شکایت مصیبت سے ہی کی جاتی ہے۔)

اور اے بیٹے! تو میرا دوست بن کیونکہ انسان ایسا دوست ڈھونڈتا ہے جس سے دشمنوں کی شکایت کرے کیونکہ دوست ہی ایسی شکایت سنتے ہیں۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالٰی تجھے بھی یہ شکایت اپنے بچوں سے کرنے کی توفیق دے۔ اس سلسلے میں میرے پاس دو اشعار ہیں:

نظم

آوخ گلہ پیری پیش کہ کنم من کاین درد مرا دارو جز تو بہ دگر نیست

ای پیر بیا تا گلہ ھم با تو کنم من زیرا کہ جوانان را زیں حال خبر نیست

(آہ، بڑھاپے کا گلہ کس کے سامنے کروں؟ کیونکہ یہ میرا درد تیرے سوا کسی اور کا علاج نہیں ہے۔ اے بوڑھے! آ، تا کہ میں اپنی شکایت تیرے سامنے کرسکوں کیونکہ جوانوں کو اس حال کی کوئی خبر نہیں ہے۔) جو بڑھاپے کا درد ہے وہ کوئی بھی بوڑھوں سے بہتر نہیں جانتا۔

حکایت: میرے والد کا ایک ملازم جو کہ دربان تھا، اسے 'کامل دربان' کہا جاتا تھا۔ وہ ایسا بوڑھا تھا کہ اس کی عمر اسی سال سے بڑھ گئی تھی۔ ایک دن اس نے گھوڑا خریدنے کا ارادہ کیا۔ اس کے لئے ایک گھوڑا لایا گیا، جو موٹا، خوش رنگ اور خوبصورت تھا۔ دربان نے گھوڑے کو دیکھا اور پسند کیا لیکن جب اس کے دانت دیکھے تو وہ گھوڑا بوڑھا نکلا، اس لئے اس نے گھوڑا نہیں خریدا، کسی

اور شخص کو یہ خریدنے دیا۔ میں نے اس سے پوچھا: اے حاجب! یہ گھوڑا جب فلاں نے خریدا تو تم نے کیوں نہیں خریدا؟ اس نے جواب دیا: وہ جوان آدمی ہے اور بڑھاپے کے دکھوں سے بے خبر ہے۔ وہ اس گھوڑے کی ظاہری خوبصورتی میں مگن ہو گیا ہے، اگر وہ اس سے متاثر ہو گیا ہے تو اسے معاف کیا جا سکتا ہے، لیکن میں بڑھاپے کی تکلیف سے بخوبی واقف ہوں اور اس کی کمزوریوں کو بھی جانتا ہوں، ایک بوڑھا گھوڑا خوش حال دکھائی دے تو میں اس پر دھوکا نہیں کھا سکتا۔

لیکن اے بیٹے! کوشش کر کہ بڑھاپے میں ایک جگہ استقامت اختیار کر کیونکہ بڑھاپے میں سفر کرنا حکمت کے خلاف ہے۔ خاص طور پر ایسے شخص کے لئے جو غریب ہو، کیونکہ بڑھاپا ایک دشمن ہے اور غربی بھی ایک دشمن ہے۔ اس لیے دونوں دشمنوں کے ساتھ سفر نہ کر۔ کیونکہ ایسا کرنے سے تو حکمت سے دور ہو جائے گا۔ لیکن اگر کبھی تجھے کسی سفر میں اتفاقی طور پر یا پریشانی کے طور پر جانا پڑے تو اگر اللہ تعالیٰ تجھ پر کرم کرے اور تیری حالت کو بہتر بنائے تو وہ سفر تیرے لئے گھر میں رہنے سے بہتر ہو گا۔ کبھی بھی اپنے گھر کی آرزو نہ کر اور نہ اپنے رہن سہن کی فکر کر بلکہ جہاں تیرا کام صحیح ہو اور وہ جگہ تیرے لئے بہتر ہو، وہاں رہ اور اس جگہ کا ماحول پہچان جہاں تجھے کامیابی ملے۔ اگرچہ یہ کہا گیا ہے: وطن دوسرا گھر ہے لیکن تجھے اس میں مشغول نہیں ہونا چاہیے بلکہ اپنے کام کی خوشحالی دیکھنی چاہیے، کیونکہ یہ بھی کہا گیا ہے: نیک بخت وہ ہیں جو اپنی بھلائی کی آرزو کرتے ہیں، اور بد بخت وہ ہیں جو اپنا گھر اور رہائش چاہتے ہیں۔ جب تجھے اپنا کاروبار یا کام مل جائے اور وہ کامیاب ہو تو اسے مستحکم کر اور مضبوطی سے قائم رکھ۔ جب اپنے کام سے مستحکم ہو جائے تو زیادہ کی طلب نہ کر کیونکہ زیادہ کی خواہش تجھے کم میں مبتلا کر سکتی ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے: جو چیز اچھی طرح سے رکھی گئی ہے، اسے بہتر کرنے کی کوشش نہ کرو ورنہ جو حاصل کر سکتا ہے وہ بھی نہیں پائے گا۔ زندگی کو بے ترتیبی سے نہ گزار اگر تو چاہتا ہے کہ دوست اور دشمن دونوں کی نظر میں تیری عزت اور مرتبہ ہو تو تجھے عوام میں اپنی حیثیت واضح کرنی چاہیے اور اپنی زندگی کو بے ترتیبی سے گزارنے کی بجائے ترتیب کے ساتھ گزار۔

دسواں باب: ضبط نفس، نظم وضبط اور ان کے آداب کا بیان

اے بیٹے! جان لے کہ عام لوگ اپنے کاموں کی ترتیب اور اوقات کا خیال نہیں کرتے، اور مناسب یا غیر مناسب وقت کی پرواہ نہیں کرتے۔ جبکہ عقل مند اور عظیم لوگ اپنے ہر کام کے لئے وقت مخصوص کرتے ہیں۔ وہ چوبیس گھنٹوں کو اپنے مختلف کاموں میں تقسیم کرتے ہیں، ہر کام کے لئے ایک وقت مقرر کر کے اس کے لئے ایک حد اور اندازہ طے کرتے ہیں، تاکہ ان کے کام آپس میں ایک دوسرے میں مل نہ جائیں۔ ان کے خادموں کو بھی معلوم ہوتا ہے کہ کس وقت کس کام میں مشغول ہونا ہے تاکہ ان کے سب کام نظم کے ساتھ انجام پائیں۔

پہلی بات کھانے سے متعلق ہے۔ یہ جان لے کہ بازاری لوگوں کی عادت یہ ہوتی ہے کہ وہ زیادہ تر رات کو کھاتے ہیں، اور یہ سخت نقصان دہ ہے، اس لئے وہ ہمیشہ بدہضمی کا شکار رہتے ہیں۔ سپاہیوں اور محنت کشوں کی عادت یہ ہوتی ہے کہ مناسب یا غیر مناسب وقت کا لحاظ نہیں کرتے، جہاں کچھ مل جائے کھا لیتے ہیں۔ یہ جانوروں کی سی عادت ہے کہ جو جب چارہ پاتے ہیں تو کھا لیتے ہیں۔ معزز اور معتبر لوگ دن اور رات میں ایک بار کھاتے ہیں، اور یہ خود پر قابو پانے کا طریقہ ہے لیکن اس سے انسان کمزور اور بے طاقت ہو سکتا ہے۔ پس یہ چاہیے کہ معزز آدمی صبح کچھ وقت تنہائی میں گزارے، پھر باہر نکلے اور اپنے انتظامی کاموں میں مشغول ہو جائے۔ دوپہر کی نماز تک کھانا اتنا تیار ہو کہ کفایت کرے۔ وہ لوگ جو تیرے ساتھ کھانا کھائیں انہیں پہلے سے بلاتا کہ وہ تیرے ساتھ کھانا کھا سکیں۔ کھانا جلدی نہ کھا، آہستہ کھا۔ دسترخواں پر بیٹھے لوگوں کے ساتھ بات چیت کر جیسا کہ اسلامی اصولوں کے مطابق ہے لیکن اپنا سر جھکائے رکھ اور دوسرے کے لقمے پر نظر نہ ڈال۔

حکایت: سنا ہے کہ ایک بار صاحب (اسماعیل بن عباد) اپنے نوکروں اور قرابت داروں کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے۔ ایک شخص نے کھانے کے کٹورے سے ایک لقمہ لیا جس میں ایک بال تھا۔ صاحب نے وہ بال دیکھا اور کہا: اس بال کو لقمے سے نکال دو۔ اس شخص نے لقمہ ہاتھ سے رکھا اور اُٹھ کر وہاں سے چلا گیا۔ صاحب نے حکم دیا کہ اسے واپس بلایا جائے۔ جب وہ شخص واپس آیا تو

صاحب نے پوچھا: اے فلاں! تو نے کھانا کھائے بغیر دسترخواں کیوں چھوڑ دیا؟ اس شخص نے جواب دیا: مجھے ایسے شخص کا کھانا کھانا مناسب نہیں جو میرے لقمے میں موجود بال کو دیکھے۔ یہ سن کے صاحب شرمندہ ہو گئے۔

لہٰذا خود کو اپنی ذات میں مصروف رکھ۔ کھانا کھانے کے وقت تھوڑی دیر توقف کر پھر اس کے بعد برتن لانے کا حکم دے۔ عزت دار لوگوں کے دسترخواں پر دو طریقے ہوتے ہیں: کچھ پہلے اپنا برتن رکھنے کا حکم دیتے ہیں اور پھر دوسروں کا، اور کچھ پہلے دوسروں کے برتن رکھنے کا حکم دیتے ہیں، پھر اپنا۔ پہلا طریقہ حکمرانی کی علامت ہے اور دوسرا سخاوت کی۔ یہ بھی حکم دے کہ مختلف ذائقوں کے برتن رکھے جائیں: ایک کھٹا اور ایک میٹھا، تا کہ جب لوگ دسترخواں سے اٹھیں تو چاہے وہ زیادہ کھانے والے ہوں یا کم، سب سیر ہوں۔ اگر تیرے سامنے کوئی کھانے کی چیز ہو اور دوسرے کے سامنے نہ ہو تو وہ چیز اپنی طرف سے اٹھا کر دوسروں کے پاس بھیج دے۔ کھانے کے دوران ناگواری ظاہر نہ کر اور نہ کھانا پیش کرنے والے سے بلاوجہ جھگڑا کر کہ فلاں کھانا اچھا ہے اور فلاں برا کیونکہ ایسی باتیں کسی اور وقت بھی کہی جا سکتی ہیں۔ جب تو کھانے کے آداب جان جائے تو پینے کے آداب کو بھی جان لے کیونکہ اس کے بھی اصول اور الگ سے ایک طریقہ کار ہے تا کہ یہ کام بھی ضابطے سے ہو۔

دعائے مغفرت

ملتان سے اسامہ اسد کی چچی، ملتان سے خالد شاہ کی سالی

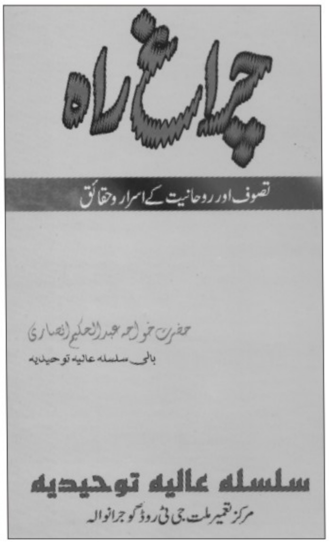
نوشہرہ ورکاں سے معین الدین کی بڑی بہن

لسوڑی سے ابراہیم شاہ کے بہنوئی، شجاع آباد سے محمد علی شاہ کے خالو

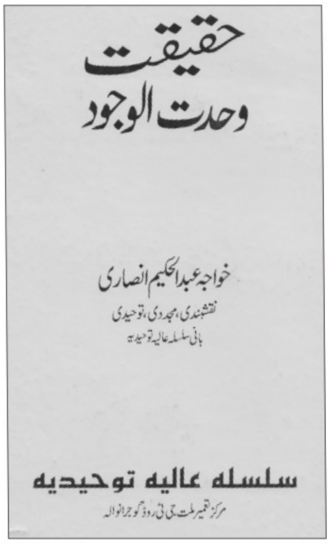
بقضائے الٰہی وفات پا گئے ہیں (اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّـا اِلَيْهِ رَاجِعونَ)

مرحومین کی مغفرت اور بلندی درجات کیلئے دعا فرمائیں۔

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف

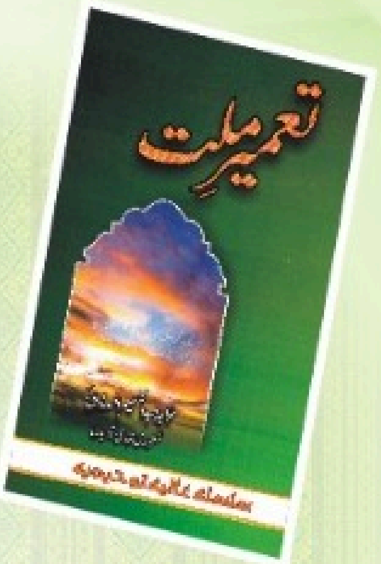


کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔ سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات ، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔ زوال اُمت میں اُمراء ،علماء، صوفیاء کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔ تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوّف کے انسانی زندگی پر اثرات۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔

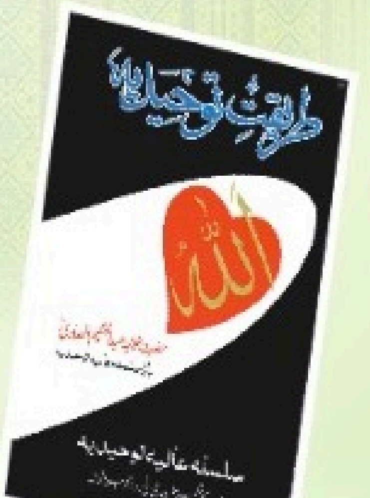


وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔ مصنّفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدات کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کر دیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقاء اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت ، بنیادی سوال جس نے نظریۂ وحدت الوجود کو جنم دیا اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظّام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔

سلسلہ توحیدیہ کی مطبوعات



قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات، اسلامی تصوف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار، ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق و آداب کے اسرار و رموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔



یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد و اذکار اور اعمال و اشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں، جس پر عمل کر کے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔

Reg: CPL - 01

Website www.tauheediyah.com